ISSN 2320-8600

جنوری - فروری - مارچ 2022

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الغفور المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : جمادی الثانی — شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

ماہ : جنوری — مارچ ۲۰۲۲ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۲ ✦ شمارہ نمبر ۱

زرتعاون

فی شمارہ	:	50/- روپے
سالانہ	:	200/- روپے
سادہ ڈاک	:	250/- روپے
رجسٹری ڈاک	:	400/- روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	500/- روپے
دیگر ممالک	:	25/-$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

رابطہ : +91-9006306098

ایڈیٹر ''المجیب'' دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 9006306098

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- عید میلاد النبی ﷺ کتاب وسنت اور علمائے سلف ..... — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۶
- تصوف اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی — ۲۱
- اسلام میں وطن پرستی کا مفہوم — ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری — ۳۰
- ماہ رمضان اور روزہ کے فضائل وآداب — مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی — ۳۷
- قصہ یوسف علیہ السلام ایک بہترین سرگذشت — مولانا نور الحق رحمانی — ۴۶
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن .....) — وارث ریاضی — ۵۷
- اردو ادب میں سیرت نگاری: ایک تحقیق — سید محمد نیر رضوی — ۶۷
- مرا چون گذر بر عراق اوفتاد (سفر نامۂ عراق) — پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ۸۵

ادبیات

- قند پارسی — حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ — ۹۸
- نعت شریف — امان خاں دل — ۹۹
- غزل — وارث ریاضی — ۱۰۰
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۱۰۱

لمعات

• ظفر حسنین

یہ کیا ہو رہا ہے؟ ساری دنیا کس راستہ پر جا رہی ہے؟ کیا دنیا کا امن وسکون، یہ ہنستے کھیلتے معصوم بچے، شاداب چہرے والے یہ مرد وزن کسے کھٹک رہے ہیں، کون انہیں غارت کرنا چاہتا ہے؟ سینکڑوں ہزاروں سال کی محنت کے بعد یہ بسی بسائی دنیا کا دشمن کون ہے؟ کیا آپ نے اس پر غور کیا ہے؟ یہ ہم ہیں اسی بسی دنیا پر راج کرنے والے، اللہ کی بنائی ہوئی ہزار ہا نعمتوں سے ہر لمحہ لطف اندوز ہونے والے — یہ حضرت انسان شیطان پر لعنت بھیجنے کے بجائے اس کے بچھائے جال میں پھنس کر اس دنیا کو تباہ و برباد اور غارت کرنے کے درپے ہیں۔ ہر طرف شور وغل ہے، ڈنکے کی چوٹ پر جنگ کا اعلان کیا جا رہا ہے، لاشیں گننی شروع ہوگئی ہیں۔ ہتھیاروں کی نمائش بھی ہو رہی ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی جاری ہے۔

دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ایک وہ ہے جس کی سربراہی روس اور چین مل کر کر رہے ہیں اور ایک وہ گروہ ہے جو کمیونسٹوں کے ازلی دشمن امریکہ کے تابع ہیں۔ کہنے کو تو یہ دنیا کی ایک عظیم طاقت روس اور اس کے ہمسایہ چیونٹی کی مانند چھوٹے سے ملک یوکرین کے باہمی تنازع سے شروع ہونے والا واقعہ تھا، کچھ چپقلش تھی، ہلکی پھلکی جھڑپ تھی، لیکن جلد ہی اس نے جنگ کی صورت اختیار کرلی اور دیکھتے دیکھتے پوری دنیا پر جنگ کے مہیب بادل چھا گئے اور پوری دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے، الزام اور جوابی الزام کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، حمایت اور مخالفت کا دور بھی اب نہیں رہا، اب صرف اپنی حفاظت اور دوسرے کی مکمل تباہی ہر ذہن و دماغ پر چھا گئی ہے، کیا اربوں کھربوں روپے کھا کر ڈکار نہ لینے والی بین الاقوامی تنظیم ''اقوام متحدہ'' اس جنگ کو روک سکے گی؟ قطعی نہیں۔ جنگ ہوگی اور ضرور ہوگی۔ آثار ایسے ہی ہیں، چاہے چند ممالک تک محدود ہو یا ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ بہر حال ایک عظیم تباہی آنے والی ہے، مسئلہ کسی ایک ملک کی ضد یا ہٹ دھرمی کا نہیں ہے، بلکہ صدیوں سے پروان چڑھنے والے دو نظریات کمیونزم اور کیپیٹلزم کے باہمی ٹکراؤ کا ہے۔ روس کے پڑوس میں ایک مختصر سا ملک یوکرین جو بغیر روس کی مدد کے سانس بھی نہیں لے سکتا تھا، اچانک پھدکنے لگا اور روس کو

آنکھیں دکھانے لگا، روس کو غصہ آیا اور اس نے مزہ چکھانے کے لیے اسے ایک دھکا دے دیا، منٹوں میں اس کی ساری اکڑفوں ختم ہوگئی اور فضائی طاقت نیست و نابود ہوگئی اور وہ چاروں طرف سے روسی فوج سے گھر گیا، اب روسی فوجیں ہر سمت سے یوکرین میں داخل ہو کر اس کے تمام قابل ذکر شہروں بشمول دارالسلطنت پر قابض ہو چکی ہیں۔ مغربی ممالک، بین الاقوامی تنظیم اور دوسرے ناوابستہ ممالک چیخ و پکار کر رہے ہیں، جنگ روکنے کی اپیل پر اپیل کر رہے ہیں، مگر روس اپنے زعم اور طاقت میں مگن گویا کہہ رہا ہو:

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے

آگے اور آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ فطری اصول ''طاقت کی جیت ہوتی ہے'' پر سچ اور صداقت غالب آجاتی تھی، مگر اب یہ صرف سننے کی باتیں رہ گئی ہیں جو کتابوں تک محدود ہیں، اب وہی مقولہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ہی مروج ہے اور یہی مقولہ اب روس کے پیش نظر ہے، جس کا وہ بھرپور استعمال کر رہا ہے۔

ان تمام واقعات کے درمیان ایک اور واقعہ کا ظہور بھی دلچسپ ہے۔ جنگ و جدل کی ابتدا میں اچانک اپنے ملک ہندوستان کا تذکرہ زور و شور سے اٹھتا ہے۔ وزیر اعظم مسٹر نریندر مودی کے بہی خواہ اور ان کے حالی موالی کو خیال آتا ہے کہ اتنا بڑا حادثہ رونما ہوا، دنیا ہل گئی لیکن مودی جی کا تذکرہ کہیں پر نہیں، چنانچہ یہ طبقہ حرکت میں آگیا اور اس نے یہ آواز اٹھانا شروع کر دیا کہ مودی نہیں تو کچھ بھی نہیں، بس مودی جی کو دیشو گرو بنا کر اس دھکم دھکے میں گھسیٹ لیا گیا۔ اب بیچارے مودی جی کریں تو کیا کریں؟ بچنا ہے تو ہاتھ پیر چلانا ہی ہوگا، اس لیے انہوں نے پرانے ہتھیار ناوابستگی کو پھر سے پکڑ لیا اور لگے ہاتھ پیر مارنے۔ اب ایک طرف میزائل اور جنگی جہازوں کا گھن گرج ہے، زمین و آسمان سے آگ و خون برسایا جا رہا ہے، فتح و شکست کے نعرے لگ رہے ہیں، وہیں کسی کونے کاتر سے مودی جی کی کمزور اور نحیف آواز بھی سنی جا رہی ہے، مت لڑو، میدان جنگ سے پیچھے ہٹ جاؤ، اپنے معصوم اہل و عیال کا خیال کرو، ان کو کون دیکھے گا، کون ان کی پرورش کرے گا؟ سر دست یہ آواز صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہے، لیکن بہر حال یہ آواز حق کی آواز ہے، اس آواز کو بھی دولت مشترکہ میں دبا دیا گیا ہے، خود ہندوستان نے بھی بین الاقوامی عدالت اور دوسرے پلیٹ فارم کا بائیکاٹ کر کے حق کی اس آواز کا گلا گھونٹ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ روس کی جارحیت کا بہر حال مقابلہ کرنا تھا، جس کی امید چشتی، بدھا اور گاندھی کے اس دیش سے تھی، لیکن مصلحت اور خوشامد کی پالیسی نے ہندوستان کے ہاتھوں سے ایک سنہرا موقع چھین لیا اور ہم کچھ نہ کر سکے، جنگ و جدل کی گھنگھور گھٹاؤں کے درمیان طوطی کی آواز کون سنے؟ اب انتظار کرنا ہے کہ دنیا کی مکمل تباہی کا تماشہ صرف ہم آپ دیکھیں گے یا ہماری آنے والی نسلیں بھی؟

اس دوران ملک کے مختلف صوبوں میں ہونے والے ضمنی انتخاب کا نتیجہ بھی سامنے آگیا ہے جو نہ صرف ناقابل یقین

بلکہ بڑا دوررس ہے۔ انتخاب والے پانچ میں سے چار ریاستوں میں بی جے پی دوبارہ اقتدار میں آگئی ہے، جب کہ ایک ریاست پنجاب میں بالکل نئی جماعت عام آدمی پارٹی مکمل اکثریت سے حکومت پر قابض ہوگئی۔

انتخاب کے اس نتیجہ نے فکر وشعور اور غور وفکر کے بہت سے دروازے کھول دیئے ہیں، یوں تو ہر جماعت انتخاب کے بعد محاسبہ اور نئی راہوں کا تعین کیا کرتی ہے، لیکن پانچ ریاستوں کے ان انتخاب کے بعد دو باتیں کھل کر سامنے آگئی ہیں، پہلی تو یہ کہ ووٹ دہندوں کا بہت بڑا طبقہ آج بھی مندر ومسجد، ہندوستان پاکستان، شمشان قبرستان جیسے فرسودہ جھگڑوں میں الجھا ہوا ہے، اس کا مظاہرہ انتخاب کے دوران ہر قدم پر ہوا۔ ملک کی سب سے بڑی جماعت بی جے پی کے قدآور رہنماؤں سے لے کر وزیر اعظم تک نے اس موضوع پر زبان کھولی اور اسے انتخاب کا مدا بنایا۔ کہنے کو تو سبھوں کی زبان پر لفظ ترقی آتا رہا، لیکن اصل میں ان کے خیال میں لفظ ترقی کا مطلب کانگریس کا مکمل صفایا اور بی جے پی کی ترقی تھی۔ اسی مرکزی خیال کو ذہن میں رکھ کر پورا انتخاب لڑا گیا اور کامیابی حاصل کرلی گئی۔ ملک سے کانگریس کا صفایا ہو چکا ہے اور بی جے پی اقتدار پر پورے طور سے غالب ہے۔

جمہوریت ہے اور جمہوریت میں عوام کی رائے ہی سب سے مقدم ہے۔ یوپی اور دوسری چار ریاستوں میں جہاں بی جے پی کی وہ کامیابی ملی جس کا ڈنکا وہ عرصہ سے پیٹ رہے تھے، شک وشبہ پیدا کرنے والا ہے۔ کمر توڑ مہنگائی، عورتوں اور کمزور طبقہ کے لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت بھی عوام کو متاثر نہ کرسکی، یہ کیسا جادو تھا جو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ مسلمانوں کے اور دوسری جماعت کے بڑے بڑے رہنماؤں تک نے ہمت ہار دی اور وہی ہوا جو چند ٹکے کے یہ مفسدین چاہتے تھے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

چودھویں قسط

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتاب وسنت اور علمائے سلف کے اقوال وآثار کی روشنی میں

● محمد آیت اللہ قادری

میلاد رسول تحفہ مقبول :

اس میلاد نامہ کے مصنف معروف ومشہور صوفی محبوب الاولیاء شاہ محمد قاسم عثمانی فردوسی سملوی ؒ کا تعلق صوبہ بہار کے قصبہ سملہ سے ہے ۔صوبہ بہار میں آباد عثمانی خانوادہ کی بزم میں حضرت مصنف کو لعل شب چراغ کا درجہ حاصل ہے ۔آپ خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ کے سجادہ نشیں کی حیثیت سے متعارف تھے ۔ان کی ولادت ۹ رصفر ۱۳۰۷ھ کو سملہ کے دینی اور روحانی گھرانے میں ہوئی ۔آباء کرام کی سرپرستی ونگرانی میں آپ کی عمدہ نشو ونما ہوئی ،تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا گیا جس کے سبب بچپن سے طبعی طور پر شرافت تزکیہ وتصفیہ کی طرف راغب تھے اور آپ کی شخصیت میں ذوق عبادت رچ بس گیا تھا۔ آپ عنفوان شباب سے ہی فرائض کے علاوہ نوافل کے بھی پابند تھے،تہجد اور ذکر واشغال کے پابند تھے ۔آپ کی چھوٹی ہمشیرہ بی بی صالحہ فرماتی ہیں:

''بھیا کا یہ معمول تھا کہ وہ جب بھی گھر پر رہتے میں نے ان کو تہجد اور ذکر کا پابند پایا''۔

آپ نے اپنے شیخ جد امجد حضرت شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید سے باضابطہ تعلیم وتربیت حاصل کی ۔آپ کی بیعت خاص سلسلہ فردوسیہ میں ہوئی لیکن آپ کو اس سلسلہ کے علاوہ تقریبا تمام معروف ومشہور سلاسل کی کسی نہ کسی طرق سے نسبت واجازت و خلافت حاصل تھی ۔آپ اپنے خاندان کے بزرگوں کے علاوہ وقت کے اور دوسرے شیوخ سے بھی فیضیاب ہوئے،مشائخ عرب سے بھی آپ نے استفادہ فرمایا اور بعض سلاسل طریقت کی اجازت حاصل کی، جن میں سلسلۂ سنوسیہ کی اجازت قابل ذکر ہے،اکابرین پھلواری شریف میں بالخصوص حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری اور حضرت محی الملۃ والدین

مولانا شاہ محمد محی الدین قادری قدس سرہما کی روحانی تعلیم وتربیت اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ اپنے شیخ جد امجد کے وصال کے بعد حضرت فیاض المسلمینؒ کے زیر تربیت رہے، حضرت اقدسؒ نے اپنی اولاد کی طرح روحانی تربیت فرمائی نتیجتاً شاہ صاحبؒ نے راہ سلوک واحسان میں کمال حاصل کیا۔ حیات دوام میں ہے:

''اپنے شیخ ومرشد حضرت شہیدؒ کے وصال کے بعد آپ حضرت امیر شریعت اول فیاض المسلمین حضرت مولانا شاہ بدرالدین نور عالم قادری مجیبی خانقاہ مجیبیہ قادریہ پھلواری شریف سے فیضیاب ہوئے۔ اس روحانی تعلیم وتربیت کے لئے آپ نے کچھ دنوں پھلواری شریف میں قیام فرمایا، حضرت فیاض المسلمین رحمۃ اللہ علیہ حضرت محبوب الاولیاء کا جذبہ صادق دیکھ کر آپ کو بے حد محبوب رکھتے اور اپنے صاحبزادگان کی طرح آپ کی بھی روحانی تربیت فرماتے''۔۔۔ (حیات دوام، ص: ۳۴)

باکمال اہل اللہ کی تعلیم وتربیت، فیوض و برکات سے آپ نے سلوک کی منزلیں طے فرمائیں جس سے ان کی زندگی حب رسول اور اتباع سنت سے روشن ہوگئی۔ حب نبوی ﷺ کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

''جو صفات بشری کو چھوڑنا اور اخلاق الٰہی سے متصف ہونا چاہتے ہیں تو ان کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی عبادات، معاملات وعادات سبھی میں واجب ہے، کیونکہ ''متخلق باخلاق الٰہی'' ہونا اور ''وصول الی اللہ'' اسی اتباع کے ساتھ مربوط ہے۔ اخلاق محمدی حاصل کرنا ایسا ضروری ہے کہ بغیر اس کے اخلاق الٰہی سے متصف ہونا ممکن نہیں۔

بہ اخلاقِ الٰہی متصف بودن اگر خواہی ❁ سراپا سیرت وخوئے محمد شو محمد شو

۔۔۔ (نقش دوام، باب دوم، ص: ۹۵)

حضرت رسول اکرم ﷺ سے شاہ صاحبؒ کی والہانہ شیفتگی کا بخوبی اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے نعلین شریفین کے تمثالی نقش کی چپل بنوائی تھی لیکن حد درجہ احترام وعقیدت کی بناء پر اس کو استعمال نہ کر کے اسے کبھی سرہانے رکھتے تو کبھی صندوق میں رکھتے۔ اپنے لئے نعلین شریفین کا ایک چشمہ کا شیشہ بنوایا جسے اپنی آنکھوں سے لگائے رکھتے، لکھنے پڑھنے میں اسی چشمہ کا استعمال کرتے۔ انجام کار عشق الٰہی، حب نبی اور اتباع رسول میں زندگی بسر کرتے ہوئے یہ آفتاب شریعت وطریقت ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء کو لوگوں کی نگاہوں سے روپوش ہوگیا، ۳۰ر شعبان کو تدفین عمل میں آئی، مرقد مبارک سملہ کے خاندانی قبرستان میں قطب العصر حضرت مولانا شاہ محمد علیؒ کے پہلو میں ہے۔

تصانیف :

شاہ صاحبؒ کی شخصیت کا مطالعہ کرنے اور ان کی علمی وادبی کارناموں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ متنوع الجہات شخصیت کے حامل تھے۔ شاہ صاحبؒ ایک عرصہ تک ماہنامہ ''معارف'' پھلواری شریف پٹنہ کے نائب مدیر بھی تھے۔

اپنے دور ادارت میں رسالہ کی ترقی وعروج کے لئے فعال اور متحرک رہتے تھے۔انہوں نے علمی و دینی مضامین کے ذریعہ جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔مضامین کے علاوہ ان کی تصنیفات وتالیفات کا دائرہ کسی ایک صنف تک محدود نہیں بلکہ ان کی تحریریں مختلف اصناف پر مشتمل ہیں۔ان کی نثر میں روانی کے ساتھ زبان سلاست وفصاحت سے بھری ہوتی تھی۔ ہر چیز میں ان کا اپنا ایک انداز ہوتا تھا،ان کی مجموعی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) ''مناقب کمالیہ''یہ حضرت شاہ کمال علی کمالؔ دیوروی کی سوانح حیات پر ایک تحقیقی مقالہ ہے۔(۲)''مناقب محمدی'' یہ مجموعہ مکاتیب ہے۔(۳)مفید المریدین۔(۴)میلاد رسول تحفہ مقبول۔(۵)بیعت کی حقیقت۔فردوسی اوراد ووظائف پر مشتمل ''ضروری اوراد فردوسیہ''،''فردوسی اذکار''،''فردوسی وظائف''کتابچے موجود ہیں۔تمام مکاتیب کو یکجا کر کے''نقش دوام''کے نام سے شائع کیا گیا ہے جو مختلف النوع مکاتیب کا حسین مجموعہ ہے۔

میلاد رسول تحفہ مقبول :

اب تک راقم السطور نے جتنے میلاد ناموں کا تعارف کرایا ان سبھوں میں یہ انفرادی وامتیازی حیثیت کا میلاد نامہ ہے۔یہ درودوں کا منتخب مجموعہ ہے جس میں مصنف غلام امام قاسم عثمانی فردوسیؒ نے صلوۃ وسلام کے پیرایہ میں میلاد النبی ﷺ کو بیان کیا ہے۔یہ رسالہ عربی اور اردو زبان میں ہے۔درمیان میں لکیر کھینچ کر ہر صفحہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے،ایک حصہ میں درود شریف تو دوسرے حصہ میں اس کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے تاکہ عربی زبان سے ناواقف شخص بھی اس کو پڑھ کر محظوظ ہو سکے۔یہ ایسا میلاد نامہ ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے صلوۃ وسلام کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور رسول اقدس ﷺ کے اوصاف وکمالات،خصائص وشمائل کی واقفیت بھی ہوتی ہے۔نہایت خلوص ومحبت کے ساتھ اس رسالہ کو ترتیب دیا گیا ہے، میلاد نامے میں درود کے صیغوں کو پڑھ کر علم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے شاہ صاحبؒ کو کس قدر الفت وشیفتگی تھی۔

مجالس میلاد کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات کو بیان کرنا ہے،احوال وواقعات کو ذکر کرنا ہے،اور ان برکات ومعجزات کو بیان کرنا ہے جو آپ ﷺ کے ورود مسعود سے رونما ہوئے،اس کا مقصد دین کی تبلیغ،ترویج و اشاعت ہے اس لئے میلاد ناموں میں اس امر کی طرف خاصی توجہ دی جاتی ہے کہ حالات وواقعات کو عام فہم زبان میں ترتیب دیئے جائیں تاکہ ان کو سمجھنے میں عامۃ الناس کو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔اس میلاد نامے میں ہر درود شریف کا ترجمہ سلیس زبان میں کیا گیا ہے۔قدامت کے باوجود اس کی زبان سہل ہے،ثقیل الفاظ مستعمل نہیں ہوئے ہیں۔اس میلاد نامہ کے کاتب آل احمد عظیم آبادی ہیں،یہ مطبع مجیبی پھلواری شریف سے شائع ہوا تھا،سن طباعت کا کہیں ذکر نہیں ہے،پیش نظر مطبوعہ نسخہ تقریباً سو سالہ قدیم نسخہ ہے کیونکہ اس میں حضرت فیاض المسلمین قدس سرہ کی تقریظ ہے۔سید محمد حسین صاحب منیجر معارف پھلواری شریف کے اہتمام سے اس کی طباعت ہوئی تھی۔رسالہ کا سرورق رنگین ہے جس پر لکھا ہوا ہے:

''میلاد رسول باتحفہ مقبول (ﷺ) مرتبہ غلام امام قاسم عثمانی فردوسی نائب مدیر ''معارف'' باہتمام سید محمد حسین منیجر ''معارف'' پھلواری شریف، در مطبع مجیبی پھلواری طبع شد۔''

یہ رسالہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ اول پر عرض حال مرقوم ہے۔ اس کے بعد اصل مضمون ہے۔ ۲۴ ویں صفحہ پر ''غلط نامہ رسالہ ہذا'' کے عنوان سے رسالہ کے جملہ اغلاط یکجا کر کے ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ مجلسی تقاضوں کے سبب اس رسالہ کو اختصار کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے تا کہ اس کا پڑھنا سہل وآسان ہو، ثقیل نہ ہو۔ اس رسالہ کا اکثر ماخذ علامہ محدث ابن عظوم المرادی القیر وانی م: ۸۸۹ھ کی تالیف ''شفاء الاسقام فی الصلوۃ علی خیر الانام'' ہے، جو تقریباً ایک لاکھ الفاظ حدیث کے ساتھ درود کے صیغوں پر مشتمل سیرت وشمائل نبوی ﷺ کا حسین گلدستہ ہے، محدث مذکور نے اپنی شرائط اخذ حدیث کے مطابق اسانید کو حذف کر کے الفاظ حدیث پر اس درود کی کتاب کو تالیف فرمایا تھا، جو بین السماء والارض مقبول ہوئی جیسا کہ مرتب میلاد نامہ مذکور نے عرض حال میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اس میلاد نامہ میں درود کے چند عربی صیغوں کے علاوہ کتاب مذکور ''شفاء الاسقام'' کے منتخبات کا اردو ترجمہ بھی اصلاً مؤلف گرامی کا میلاد نامہ ہے، جسے انہوں نے حسن وخوبی کے ساتھ منتخب کر کے مرتب کیا اور اس کا اردو ترجمہ کر کے عامی لوگوں کے لئے سیرت سے استفادے کا سامان بہم پہنچایا۔ ذیل میں ''عرض حال'' بعینہ لکھا جاتا ہے تا کہ منشائے مؤلف اور مقاصد ترتیب رسالہ ہذا کی وضاحت ہو جائے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

عرصہ سے شوق دلی اس کا مقتضی تھا کہ اپنے سردار دو جہان سرور انس وجان رحمۃ للعالمین سید المرسلین نبی الامی العربی حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی روحی فداہ ابی وامی کے سبق آموز احوال اور پند آمیز خصال کو اس اختصار کے ساتھ چند سطروں میں قلمبند کرنا چاہئے جس کا پڑھ لینا ہم جیسے طالبین دنیا کو جن کی زندگی کی غایت بجز طلب سامان عیش وتنعم اور کچھ نہیں ہے آسان ہو اور ان پر عمل کرنے سے فلاح دینی اور بہبود دنیوی حاصل ہو جائے۔

چوں کہ منعم کی عطائے نعمت اور محسن کی احسان کے بدلہ وعوض میں حتی الامکان کوشش کرنی انسانی اوصاف اور دینی فرایض میں سے ہے اس لئے اپنے ماں باپ سے زیادہ شفیق ومہربان ولی نعمت اور دنیا کے بہترین دردمند اور خیر خواہ مصلح کے واقعات معلم الاخلاق اور عادات نصیحت آیات کو دعا کے پیرایہ خاص میں بیان کیا گیا ہے اور اس سے بہتر طریقہ بتانے میں دنیا کے مذاہب کی زبانیں بند ہیں اور اظہار تشکر کا وہ مادی وسیلہ اختیار کیا گیا جس سے بہتر وسیلہ کے اظہار سے فلاسفہ مادئین کی ناطقہ پر مہر لگی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ محسن عالم کے حالات، عادات، اور تعلیمات کو بذریعہ مطابع شائع کیا جائے۔

الحمد للہ کہ یہ مختصر رسالہ جس کا ماخذ باستثناء چند صیغ ''شفاء الاسقام فی الصلوۃ علی خیر الانام'' ہے اور جو خلوص ومحبت کے

ساتھ ترتیب دیا گیا ہے حسب مقصود اختتام کو پہونچ گیا۔اللہ تعالیٰ بفضلہ بحبیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احقر کی اس کوشش کو مشکور فرمائے اور اس کے اجر وثواب کو میرے والدین، پیران سلسلہ اور بزرگان نسب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نامہائے اعمال میں ثبت فرماوے۔آمین ثم آمین۔آخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین۔

ننگ اسلاف

غلام امام قاسم مجیبی ابوالحسنی دیوروی ثم سملوی (گیا، بہار)۔"

اس میلاد نامہ کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس پر شاہ صاحبؒ کے شیخ ارشاد اور مربی حضرت اقدس مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ کی تقریظ ہے۔تقریظ میلاد نامہ کے آخری صفحہ پر ہے۔حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ ونفعنا اللہ بفیوضہ کی تقریظ بغرض افادہ عام پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین:

"تقریظ

از چکیدہ قلم معجز رقم قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین صاحب قادری جعفری زینبی زیب سجادہ مجیبیہ پھلواروی مدظلہ العالی

حامدا و مصلیا ومسلما

اس زمانہ کے مسلمان اپنا اسلامی اخلاق چھوڑ کر جس بے راہ روی میں پڑ گئے ہیں اوس سے پھیر کر اسلامی اخلاق کی طرف بلانے والا اور اس زینت سے آراستہ کرنے والا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہمارے ہادی برحق حضرت سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل شریفہ اور عادات لطیفہ سے اونھیں باخبر کیا جائے۔اور بعنوان شائستہ ہدایت کی جائے کہ آپ کے اخلاق حسنہ کو اختیار کریں۔تاکہ دوست دشمن دونوں کے ساتھ معاملات میں اکسان راستی، طرز معاشرت میں سادگی بے تکلفی میانہ روی مخلوق پر رحم کرم ایثار اونکی طبیعت ثانی ہوجائے۔دنیاوی زندگی کا ایک ایک منٹ بیکار نہ جانے دیں۔کام میں لگے رہیں دینی ہو یا دنیوی۔دینی اور دنیاوی کل کاموں کو تعلیم خداوندی کے موافق اور سنت نبوی کے مطابق کریں۔اس کے لئے ضرورت ہے ہمارے ہادی برحق علیہ الصلوۃ والسلام کے اوصاف حمیدہ عادات لطیفہ خصائل شریفہ میں سے جستہ جستہ مضامین مختصر تحریروں میں شائع کئے جائیں۔بہ نسبت بڑے رسالوں کے زیادہ مفید ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے عزیز مولوی محمد قاسم فردوسی سلمہ اللہ تعالیٰ زادہ فی حبہ وحب رسولہ نے اس ضرورت کو سمجھا اور یہ تحریر موسوم بہ تحفہ مقبول لکھا۔اللہ تعالیٰ اسے مقبول خاص وعام کرے۔مناسب ہے کہ یہ مضامین صاف ستھرے الفاظ میں ہوں جس کو لڑکی اور عورتیں بھی پڑھ کر خوش ہوجائیں اور مضامین اس طرح اونکے دلنشیں ہوجائیں جو اون کی اصلاح کا باعث اور اسلامی اخلاق کی طرف رہنما ہوں۔

محمد بدرالدین عفا اللہ تعالیٰ عنہ۔"

میلاد کے موضوع پر شاہ صاحبؒ کی یہ گرانقدر خدمت ہے ۔اس کے عمدہ اسلوب اور انوکھے پن نیز حضرت فیاض المسلمین قدس سرہ کی تقریظ کی وجہ سے علمی اور میلاد پڑھنے والے حلقوں میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی اور مقتدر اہل علم و فن نے ان کو داد تحسین سے نوازا۔اور اس اہم خدمت کا تمام عشاق رسول ﷺ نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے ۔

یہ میلاد نامہ درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم وبرکتُھا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کی فضیلتیں اور برکتیں ۔

فی خلق نورہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے نور پاک کی تخلیق ۔

ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی ولادت باسعادت ۔

الحلیۃ الشریفۃ

آپ کا حلیہ شریف ۔

فی اسمہ و کنیتہ

آپ کا نام وکنیت ۔

صفاتہ السَنِیَّۃ

آپ کے صفات حسنہ ۔

اخلاقہ الشریفہ

آپ کے برگزیدہ اخلاق ۔

فضائلہ الکاملہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے فضائل عالیہ ۔

فی معراجہ وماشاھد من عجائب الملکوت

آپ کے معراج ومشاہدات ۔

دعا ۔

اس میلاد نامہ میں صلوۃ وسلام کے پیرایہ میں میلاد النبی ﷺ کو بیان کیا گیا ہے شاید اسی لئے حمد وصلوۃ کے بعد

اس کے آغاز میں فضائل درود وسلام کا ذکر ہے، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اللھم صل و سلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد الذی فتحت بالصلوۃ علیہ ابواب السرور و سھلت بالصلوۃ علیہ من الامور۔

ترجمہ: اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جن پر درود وسلام پڑھنے سے سرور ومسرت کے دروازے تو کھولتا ہے اور مشکلات ومہمات کو حل کر دیتا ہے"۔۔۔(ص:۳)

قدیم اسلوب میلاد ناموں میں نور محمدی ﷺ، ولادت رسول اکرم ﷺ کے اذکار ومعجزات کے بیان کی طرف بکثرت توجہ دی گئی ہے۔ یہ قدیم اسلوب انیسویں صدی کے وسط تک لکھے جانے والے میلاد ناموں میں مروج رہا یعنی ۱۸۵۷ء سے قبل کے میلاد ناموں میں اس اسلوب کے نمونے زیادہ تر ملتے ہیں۔اس کے بعد جدید اسلوب میں میلاد نامے لکھے گئے جن میں آپ ﷺ کی میلاد، معجزات، مخلوقات پر آپ کے احسانات، مقاصد رسالت وغیرہ کے بیان پر زور دیا گیا ہے۔

اسلوب میلاد کے مطابق اس کتاب میں ذکر نور محمدی ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے چند کا ذکر ہے۔سیرت اور میلاد کی اکثر کتابوں میں ہے کہ وقت ولادت آنحضرت ﷺ، خواتین قریش میں سے حضرت عبد الرحمن بن عوف کی والدہ حضرت شفاء اور والدہ عثمان بن ابی العاص موجود تھیں۔ حضرت شفاء جو دایہ تھیں بیان کرتی ہیں کہ جس وقت رسول اکرم ﷺ میرے ہاتھوں میں آئے تو حالت سجدہ میں انگشت اٹھائے ناف بریدہ اور ختنہ شدہ تھے۔شاہ صاحب نے اس واقعہ کا ذکر خوبصورت انداز میں کیا ہے:

"اللھم صل و سلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد الذی ولد فی ساعۃ العاشرۃ من لیلۃ الاثنین واعتدل۔ لاثنی عشر لیلۃ خلت من شھر ربیع الاول۔او لثانی لیلۃ کما حققہ المحدثون ولد نظیفا مقطوع السرۃ وولد ساجدا الی الارض رافعا راسہ الی السماء۔

ترجمہ: اے اللہ ہمارے سردار اور آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود و سلام نازل فرما جن کی ولادت باسعادت بارہویں و بہ روایتے دوسری ربیع الاول کو دس گھنٹہ رات گذرے ہوئے (یعنی بوقت صبح صادق) ہوئی۔اور جو ختنہ کردہ، ناف بریدہ، آلائش سے پاک جلوہ گر ہوئے اور قدوم میمنت لزوم فرمانے کی ہیبت یہ تھی کہ زمین کی طرف ساجد تھے اور آسمان کی طرف سر اٹھائے۔صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم"۔۔۔(ص:۷)

نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر سلام بھیجنا مقبول ترین عبادت ہے۔سلام کا مقصد رسول اکرم ﷺ کے حضور درود وسلام بھیجنا اور آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات کا ذکر ہے۔وہ نظمیں جو مدحت مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر مشتمل ہوں اور جن میں لفظ سلام ہو، سلام کہلاتی ہیں۔سلام پڑھنا انتہائی متبرک اور نیک عمل ہے۔قرآن وحدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے، درود وسلام

پڑھنے کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، سلام پڑھنے والا اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سلام کسی وقت بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ دور حاضر میں عموماً درود وسلام محافل میلاد کے اختتام پر پڑھے جاتے ہیں لیکن میلاد ناموں کی روایت کے مطابق محافل میلاد النبی ﷺ میں حصول ثواب اور شفاعت طلبی کے جذبہ کے تحت عموماً درود وسلام ذکر ولادت باسعادت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور مناجاتیں مجالس کے اختتام پر پڑھی جاتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ ایک عمدہ نثر نگار کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے، انہیں فن شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا حکیم شاہ محمد مجیب الحق کمالی سملویؒ بلند پایہ شاعر تھے۔ شاہ صاحبؒ کا ذوق سخن طبیعت کی موزونیت تک محدود تھا بس عشق رسول کا اظہار کبھی کبھی نظم کے پیرایہ میں کرتے تھے۔ محبت رسول کے جذبہ سے سرشار ہوکر آپ نے کچھ نعت رسول اور سلام بھی قلمبند کئے ہیں جو محبت رسول ﷺ کے آئینہ دار ہیں۔ درج ذیل ہدیہ سلام آپ کا ایک قیمتی گلدستہ محبت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات کا بیان کیا ہے جس سے محفل میں مقدس فضا قائم ہوجاتی ہے اور اس کے سننے والوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول اقدس ﷺ کے حضور دست بستہ کھڑے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے سلام میں ہر مصرعہ کا آغاز لفظ سلام سے ہوتا ہے۔ نہایت ادب واحترام کے ساتھ وہ لکھتے ہیں :

سلموا یاقوم بل صلوا علی الصدر الامین ❁ مصطفی ما جاء الا رحمۃ للعالمین
السلام اے نور رب العالمینؐ ❁ السلام اے آفتاب مرسلینؐ
السلام اے رحمۃ للعالمینؐ ❁ السلام اے مہبط روح الامینؑ
السلام اے باعث کون و مکاں ❁ السلام اے خواجہ ہر دوجہاں
السلام اے معدن لطف و عطا ❁ السلام اے مخزن جود و سخا
السلام اے درد منداں را دوا ❁ السلام اے گمرہاں را رہنما
ایں سلام از لطف و رحمت یا رسولؐ ❁ از کمین بندہ قاسمؔ کن قبول

حلیہ شریف :

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے نعت گو ومداح تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ معنوی کے ساتھ کمالاتِ ظاہری، جسم مطہر، حسن وجمال، ایک ایک ادا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، یاد رکھا اور پھر اسے بیان کرکے ہم پر احسانِ عظیم کیا کہ آج ہم اُن کی روایت کردہ احادیث کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک اور حسن وجمال، جسمانی خدوخال، قد وقامت اور اعضاء کا تصور اپنی آنکھوں میں لا سکتے ہیں۔

خوبیٔ وشکل وشمائل حرکات وسکنات ❁ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات صحابہ کرامؓ کے عظیم المرتبت طبقہ نے ہی نبی اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک اور حسن و جمال کی خوب ترین تصویر کشی کی ہے اور اُمت مسلمہ کو بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کا حسن و جمال کیسا تھا، جسمانی خدوخال اور اعضاء کی کیفیت کیسی تھی۔ اسی قدسی جماعت کی بدولت آج نبی آخرالزماں ﷺ کے جسمانی اعضاء کی خوبصورتی کا بیان حدیث وسیرت وغیرہ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور حسن و جمال کامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مطہر کمالِ حسن کو پہنچا ہوا تھا۔ کسی نے آپ ﷺ جیسا حسین پہلے دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد تاقیامت دیکھے گا۔ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ نے فرمایا:

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِی ❁ وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ❁ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

ترجمہ : آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا، آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت، عورتوں نے نہیں جنا، آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے، آپ ﷺ ویسا ہی پیدا ہوئے جیسا کہ آپ ﷺ چاہتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک ایک مستقل موضوع ہے۔ فن حدیث کی کتابوں میں اسے مستقل طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ شمائل ترمذی اس کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ سیرت، تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں بھی اسے ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ سیرت ابن ہشام، مواہب اللدنیہ و دیگر کتابوں میں خاصی تفصیل سے حلیہ شریف کا ذکر ملتا ہے۔

سیرت نگاروں کی روش پر چلتے ہوئے میلاد نگاروں نے بھی نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے بیان کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا سراپا بیان کرنے میں خاصا زور دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ میلاد ناموں میں آپ ﷺ کے جسمانی خدوخال، قد وقامت، ملبوسات اور ان کے لوازمات کا ذکر ملتا ہے۔ شاہ صاحبؒ ان میلاد نگاروں میں سے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

شاہ صاحبؒ کا ایک منظوم حلیہ شریف ہے جس میں انہوں نے سراپائے رسول ﷺ کا والہانہ اظہار کیا ہے، ان کی یہ پراثر نظم ''حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

حلیہ ہے محبوب رب کا ❁ خالق جو ہے، سب کے سب کا

دل میں اس کو تم جمالو ❁ آنکھوں میں بھی تم بسالو

گورا رنگ گلاب سا ❁ دمکتا منہ مہتاب سا

سر بڑا، پیشانی چوڑی ❁ آنکھیں روشن اور بڑی

رس بھری اور اجلی کالی ❁ پلکیں ان کی کالی لانبی

سر تا پا ہیں نور مجسم ❁ صلی اللہ علیہ وسلم

قاسمؔ نے یہ حلیہ لکھا ❁ جیسا سمجھا ویسا لکھا
ورنہ وہ ہیں یکہ وتنہا ❁ خُلق وحسن میں بے ہمتا

——(حیات دوام،ص:۱۷)

اس میلاد نامہ میں شاہ صاحبؒ نے حلیہ مبارک کا ذکر درود شریف کے پیرایہ میں عربی زبان میں کیا ہے اس لئے انہوں نے ذکر حلیہ شریف کے لئے بکثرت انہیں الفاظ کو نقل کیا ہے جو حدیث کے الفاظ ہیں۔ یہ مناسب بھی تھا کہ حلیہ مبارک کے بیان کے لئے انہیں الفاظ کا انتخاب کیا جائے جو صحابہ کرام کے ہیں کیونکہ ان میں جامعیت وفصاحت ہے، اگر ان کے علاوہ دوسرے الفاظ کا استعمال کیا جائے خواہ وہ مفہوم کو ادا کردیں لیکن ان میں وہ معنویت باقی نہیں رہ سکتی ہے جو اہل زبان و حقیقی نعت گو صحابہ کرامؓ کے الفاظ میں ہے۔ عرب میں کشادہ دہن والے مرد کو بہت اچھا سمجھا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا، نہ تنگ تھا کہ منہ سے نکلی ہوئی بات میں فصاحت باقی نہ رہے اور نہ اس قدر بڑا تھا کہ معیوب معلوم ہو بلکہ آپ ﷺ موزوں اور معتدل کشادہ دہن سے متصف تھے۔ فراخ دہن کے لئے "ضَلِيْعِ الْفَمِ" کا استعمال کیا گیا ہے، یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ دندان مبارک، زلف مبارک، داڑھی مبارک، صدر مبارک و دیگر اعضاء شریفہ کے لئے بھی وہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حلیہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"اللهم صل وسلم على سيدنا ومولانا محمد و على اٰل سيدنا محمد مستجمع لجميع صفات الحسن والجمال مع تناسب الاعضاء بكمال الاعتدال۔

ترجمہ: اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما۔ جو تمامی حسن و جمال کے مرجع اور تناسب اعضاء میں حد اعتدال کو پہونچے ہوئے ہیں۔

"اللهم صل وسلم على سيدنا ومولانا محمد و على اٰل سيدنا محمد الذى هو اسمر اللون وضخم الراس وصاحب شعر الراس مسترسلا الى شحمة الاذنين والمنكبين وهو رحب الجبهة وازج الحواجب واكحل العينين واهدب الاشفار واقنى الانف و ضليع الفم وافلج الاسنان وصاحب لسان الصدق بدر الوجه ومجتمع اللحية وعريض الصدر وسواء البطن وصاحب خط الشعر من الصدر الى السرة وطويل اليدين ورحب الراحة ولين الكف ودقيق الانامل ومسيح القدمين واملح تام القد وصاحب جسد اللطيف۔

ترجمہ: اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جن کا رنگ گندمی اور جن کا سر اعتدال کے ساتھ بڑا تھا جن کے زلف پیچاں سیاہ و لمبے تھے جو کبھی نرمہ گوش تک رہتے اور کبھی تا دوش لٹک آتے، جن کی پیشانی کشادہ تھی، جن کے ابرو باریک تھے، جن کی آنکھیں سرمگیں

تھیں جن کے مژگاں دراز تھے جن کی بینی مبارک بلند تھی، جن کا دہن شریف کشادہ تھا اور جن کے دندان آبدار تھے، جن کی زبان صدق گفتار تھی اور جن کا چہرہ ماہ کامل کی طرح تھا جن کی داڑھی گھنی تھی جن کا سینہ چوڑا اور جن کا شکم ہموار تھا اور جن کے شکم وسینہ کے مابین بالوں کا ایک باریک خط تھا، جن کے ہاتھ لمبے تھے اور جن کی ہتھیلیاں نرم و پرگوشت تھیں جن کی انگلیاں لمبی تھیں اور جن کے قدم مبارک نرم و پرگوشت تھے جن کا قامت دلجو اور جن کا جسم لطیف تھا۔صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم"۔۔۔(ص:۹)

نام وکنیت

"اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد و علی اٰل سیدنا محمد احمدالمحمود،عبد اللہ الامین، والطاھر ابی القاسم۔

ترجمہ : اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جن کا اسم گرامی احمد اور محمود ہے جو اللہ کے امین بندے ہیں اور جن کا نام طاہر اور کنیت ابوالقاسم ہے"۔۔۔(ص: ۱۰)

شاہ صاحبؒ نے اس اقتباس میں آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی محمد، احمد اور محمود لکھنے پر اکتفا کیا۔مزید تفصیلات کی طرف توجہ والتفات نہیں فرمائی کہ آپ ﷺ کا اسم گرامی کس نے رکھا، اس کا مادہ اور معنی کیا ہیں، اسم محمد کے فضائل و برکات کیا ہیں؟ حدیث، سیرت و دیگر فن کی کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں۔سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو القاو الہام سے نوازا تھا جس بنا پر انہوں نے اپنے نومولود کا نام "احمد" رکھا۔بعض روایت کے مطابق "محمد" نام بھی آپ کا ہی رکھا ہوا ہے۔محمد اور احمد دونوں "حمد" سے مشتق ہیں۔محمد کے لفظی معنی ہیں "ستودہ خصال یعنی تعریف کیا گیا"۔قرآن کریم میں چار مقام پر اس نام کا ذکر کیا گیا ہے۔سورہ آل عمران آیت ۱۴۴، سورہ احزاب آیت ۱۴۰، سورہ محمد آیت ۲، سورہ فتح آیت ۲۹۔قرآن کریم میں ایک جگہ "احمد" کا ذکر ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک نبی کی آمد ہوگی، ان کا نام احمد ہوگا:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔(سورہ صف،آیت:۶)

محققین کا بیان ہے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت پندرہ لوگ ایسے تھے جن کا نام محمد تھا، ان میں سے بعض نے عہد اسلام پایا اور ایمان سے مشرف ہوئے۔لیکن اس سے پہلے کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔یہ باعث فخر ہے جیسا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی اللہ تعالیٰ نے "یحیٰی" منتخب فرمایا اور ساتھ میں یہ بھی واضح کر دیا کہ اس سے پہلے کسی شخص کا نام "یحیٰی" نہیں رکھا گیا:

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷ ۔(مریم)

بڑے صاحبزادے حضرت قاسمؓ کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہے جو عام طور پر پہلی اولاد کے نام رکھی جاتی ہے۔اس زمانہ میں کسی کو نام کے بجائے کنیت سے مخاطب کرنا بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو مگر میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نام اور کنیت دونوں کو جمع نہ کرو۔

صفات حسنہ :

شاہ صاحبؒ نے آنحضرت ﷺ کی صفات حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی اخلاقی خوبیوں کی مخلوقات میں سب سے پہلے تعریف کی گئی ہے۔آپ ﷺ انتہائی نیک،بلند خوبیوں والے،صاحب معجزات قطعی،عالی رتبہ،عالی قدر، رسالت ونبوت کے مدارج کے جامع،شمع ہدایت،مرتبہ ولایت کے قطب،نتیجہ ایمان ویقین،خزانہ منت واحسان،عاصیوں اور گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات ومعجزات میں سے ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کی انفرادی خصوصیات کی جامع ہستی ہیں،اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کی ذات اقدس میں تمام انبیاورسل کے فضائل وکمالات کو جمع فرمایا دیا ہے،کسی نبی کا کوئی کمال یا معجزہ ایسا نہیں جو آپ ﷺ کی ذات میں موجود نہ ہو،اس کے برعکس بعض فضائل وکمالات ومعجزات ہیں جن سے صرف آپ ﷺ ہی کی ذات پاک متصف ہے مثلاً جوامع الکلم،حلت مال غنیمت،معراج،مقام محمود وغیرہ،آپ ﷺ کے علاوہ انبیاء میں سے کسی کو یہ کمالات عطا نہیں کئے گئے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض طهوراً و مسجداً وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون — (صحيح مسلم، حديث نمبر ۱۱۶۷)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیا پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے،مجھے جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے،رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے،میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے،میرے لئے روئے زمین کو پاک اور مسجد بنادیا گیا ہے،میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم خصوصیت کو اپنے صیغۂ درود میں اس طرح پیش کیا ہے:

"اللهم صل وسلم على سيدنا ومولانا محمد وعلى اٰل سيدنا محمد الذى اعطى خلق اٰدم ومعرفة شيث وشجاعة نوح وشدة موسىٰ وخلة ابراهيم ولسان اسمٰعيل وحب دانيال ورضاء اسحاق وزهد عيسىٰ. والذى اعطى فصاحة صالح وحكمة لوط وجمال يوسف وبشرىٰ يعقوب وطاعة يونس وجهاد يوشع وصوت داؤد وعصمة يحيىٰ وصبر ايوب.

ترجمہ : اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جن کو حضرت آدم علیہ السلام کا خلق حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کافروں پر شدت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوستی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان اور حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد مرحمت کیا گیا علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام۔ اور جن کو حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پاک دامنی اور حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر عطا فرمایا گیا"۔۔۔(ص: ۱۲)

اخلاق حسنہ :

شاہ صاحبؒ نے اخلاق حمیدہ کے تحت متعدد واقعات کا بیان کیا ہے جو آپ ﷺ کے بلند اخلاق و کردار کے واضح دلیل ہیں اور آیت قرآنی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم) کی تفسیر ہیں۔ انہوں نے سورہ قلم کی مذکورہ آیت سے ذکر خلق نبوی ﷺ کا آغاز کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عظیم کردار کی تعریف فرمائی ہے۔ صاحب کتابؒ نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ منکسر المزاج اور متواضع تھے، لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، ملنے والوں کی دلجوئی فرمایا کرتے، صحابہ کرامؓ سے مصافحہ کرنے میں سبقت فرماتے، اگر ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو معاف فرما دیتے اور اسے نظر انداز کر دیتے۔ آپ ﷺ اس قدر عفو و درگذر فرماتے کہ اگر آپ ﷺ پر کوئی قاتلانہ حملہ کرتا تو اس کو بھی معاف فرما دیتے، بلا تفریق مذہب وملت، قبیلہ و خاندان سب کی خطا بخش دیتے، ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو کھانے میں زہر دے کر کھلایا۔ یہ اس قدر سنگین جرم تھا کہ اس کی سزا موت ہے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا۔

جنگ احد کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے لیکن اس وقت بھی آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے یہ مجھے پہچانتے نہیں۔ یہاں انہیں واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور مختصر عربی عبارت میں زیادہ مفہوم کو سمیٹ لیا گیا ہے:

"اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد الذی لما سمتہ الیھودیۃ فی شاتھا تجاوز عن سیأتھا والذی لما کسرت رباعیتہ و شج وجھہ المیمون قال اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔

ترجمہ : اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جنہوں نے اس یہودی عورت کی شرارت سے درگذر فرمایا جس نے آپ کو بکری کے گوشت

میں زہر دے کر کھلایا تھا۔اور جنہوں نے اپنے دندان مبارک کے شہید ہوجانے اور اپنے چہرہ انور پر پٹی باندھنے کے بعد فرمایا:''اے خدا!اس قوم کی زیادتیوں سے درگذر فرما کیونکہ یہ نادان ہیں''۔۔۔(ص:۱۵)

معراج ومشاہدات :

واقعہ معراج ہمیشہ سے ایک اہم موضوع رہا ہے،اس کے لئے مستقل چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں،اس کی اہمیت کے پیش نظر میلاد نگاروں نے بھی اس کا بیان کیا ہے۔واقعہ معراج کو اس میلاد نامہ میں اختصار کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔مسجد حرام سے مسجد اقصی اور پھر عرش تک کے سفر کا ذکر کیا ہے۔انہوں نے بیان معراج میں قرآن وحدیث کی آیات وروایات سے استفادہ کیا ہے اور ملحوظ بھی رکھا ہے۔واقعہ معراج سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰل سیدنا محمدالذی اسری به بالروح والجسد۔وھو ابن احدی وخمسین سنة وتسعة اشھر عددا۔

ترجمہ : اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جو اکاون برس نو مہینے کی عمر میں روح وجسد کے ساتھ افلاک کی سیر کرائے گئے۔

بمدعی چہ بگویم کہ خاک در دہنش ❁ بجان تو کہ تراشد بہ جسم وجاں معراج''

۔۔۔(ص:۱۹)

''اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰل سیدنا محمدالذی اجلسه الله فی مجلس الحب واحله منه محل القرب۔وسمع خطاب العلی الاعلی ۔ورای ربه رویا عین بلاحد ولا این۔وھذا ما اشیر الیه فی القراٰن الذی نزل علی المصطفی مازاغ البصر وماطغی۔ صلی الله علیه واٰله وسلم۔

ترجمہ : اے اللہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے آل اولاد پر درود وسلام نازل فرما جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی مجلس میں بٹھایا،جن کو اپنے محل تقرب میں جگہ دی اور جنہوں نے اس کے عظیم الشان خطاب کو سنا،جس کی طرف قرآن مجید میں جو برگزیدہ نبی پر نازل کیا گیا ہے اشارہ کیا گیا کہ مازاغ البصر وماطغی یعنی بے شک کامل طرح پر انہوں نے دیکھا،ان کی آنکھیں نہ تو خیرہ ہوئیں اور نہ چھپکیں:

موسیٰ زہوش رفت زیک پرتو صفات ❁ تو عین ذات می نگری در تبسمے

۔۔۔(ص:۲۱)

معراج النبی ﷺ کے بعد عربی نثر اور بعد میں اردو نظم میں دعاء ومناجات ہے اور یہی میلاد نامہ کا تتمہ ہے،چند دعائیہ اشعار یہ ہیں:

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو ❁ وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
بے لوس محبت ہو بے باک صداقت ہو ❁ سینوں کو اجالا کر دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا ❁ امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا ❁ تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

مجموعی طور پر یہ میلاد نامہ اپنے تمام مشمولات وعنوانات کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔اس میں فنی محاسن موجود ہیں۔اس کا انداز بیان قاری کو متاثر کرتا ہے۔یہ ذخیرۂ میلاد ناموں میں ایک مستحسن اضافہ ہے۔اس کے مضامین میں بہت اہم معلومات پیش کی گئی ہیں۔اس مختصر رسالہ میں شاہ صاحبؒ نے میلاد النبی ﷺ کے متعدد پہلوؤں کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ان کا ترتیب دادہ یہ میلاد نامہ ان کے ذوق انتخاب کا عمدہ نمونہ ہے، یہی وجہ رہی کہ حضرت فیاض المسلمین قدس سرہ نے اس رسالہ کو سراہا، اور اپنی گرانقدر تقریظ سے زینت بخشی ،جس سے اسے بیش قیمت اثاثے کی حیثیت حاصل ہوئی۔

—(جاری)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تا کہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کاغذ کے ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھے جائیں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

تصوف اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ درج ذیل اشعار کو اکثر پڑھا کرتے تھے:

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد ❁ ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد

ہر کہ او خارے نہد در راہِ ما از دشمنی ❁ ہر گلے کز باغِ عمرش بشگفد بے خار باد

ترجمہ : جو ہمارا دوست نہ ہو اللہ اس کا دوست رہے۔ جو ہمیں رنج دے، وہ بہت راحت پائے۔ جو دشمنی سے ہمارے راستہ میں کانٹا رکھے، اس کی زندگی کے باغ کا ہر پھول بے کانٹا کھلتا رہے۔

ان اشعار سے صوفیہ کرام کی حیات مخلوق الٰہی کے ساتھ ان کی ہمدردی وغمخواری اور ان کی انانیت سے دوری کا ایک عمدہ نمونہ سامنے آتا ہے۔

لفظ تصوف کا ماخذ :

تصوف کے موضوع پر کچھ عرض کرنے سے قبل تصوف کے ماخذ پر روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ تصوف کا لفظ کہاں سے نکلا ہے؟ ابوریحان بیرونی لکھتے ہیں کہ صوفی کا لفظ سوف سے ماخوذ ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کے معنی حکمت کے ہیں۔ اسی لئے حکیم اور دانشور کو فیلسوف کہتے ہیں۔ فیلا کے معنی محب اور سوف کے معنی حکمت یعنی دانش وحکمت سے محبت کرنے والا۔ سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو وہ تبدیلی کے بعد صوفی ہوگیا۔

لیکن بیرونی کی اس بات سے اختلاف کیا گیا ہے اور اہل تحقیق نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یونانی کتابوں کا ترجمہ تیسری صدی ہجری کے نصف (۲۵۰ھ) کے قریب شروع ہوا ہے۔ اس سے قبل اہل عرب یونانی افکار وخیالات اور ان کی کتابوں سے واقف نہیں تھے۔ لفظ صوفی اس کے بہت قبل سے عرب معاشرہ میں رائج ہو چکا تھا، کیوں کہ تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے جو شخصیت صوفی کے لقب سے مشہور ہوئی وہ ابوالہاشم الکوفی کی تھی، ان کی وفات ۱۵۰ھ بتائی جاتی ہے۔ اس طرح یونانی علوم

سے رابطہ سے تقریباً سو سال قبل سے صوفی کا لقب عرب میں مشہور ہو چکا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیرونی کی اس بات کو مان لیا جائے تو تصوف جو خالص اسلامی چیز ہے اس کو یونانی علوم وفنون کا خوشہ چین یا اس سے مستفاد ماننا پڑے گا جو حقیقت کے خلاف ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ صوفی صفا سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس لقب سے ملقب حضرات ظاہری اور باطنی صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔

بعض حضرات نے اس کو صف سے مشتق قرار دیا ہے۔ صوفی حضرات جہاد اصغر و جہاد اکبر میں ہمیشہ صف اول میں ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو صوفی کہا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حضرات عام طور سے صوف (اون) کا لباس پہنتے تھے۔ یعنی بہت عمدہ لباس نہیں پہنتے تھے بلکہ موٹا جھوٹا جو میسر آتا پہن لیتے تھے۔ صوف کا لباس پہننے کی وجہ سے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔ اشتقاق کے اعتبار سے یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی خاص اہمیت ظاہر نہیں ہوتی۔

بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ صوفی صفہ سے ماخوذ ہے۔ اصحاب صفہ کی طرف منسوب کر کے ان کو صوفی کہا جاتا تھا، کیوں کہ یہ لوگ بھی اصحاب صفہ کی طرح فقر و درویشی کی زندگی گزارتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں دن رات مشغول رہتے تھے۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اگر چہ اشتقاق کے لحاظ سے اس میں بُعد ہے۔

کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تصوف اور صوفی کی وضاحت کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

> ''صفا مسلمہ طور پر قابل قدر ہے اور اس کی ضد کدر ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ذهب صفو الدنيا وبقي كدرها'' دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کا میل باقی رہ گیا۔ اشیاء کے لطیف حصے کا نام ''صفا'' ہے اور کثیف حصے کو ''کدر'' کہتے ہیں۔ چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق ومعاملات کو صاف رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے بری ہوتے ہیں اس لئے صوفی کہلاتے ہیں۔ اس طبقہ کے لئے یہ لفظ اسم علم کی حیثیت رکھتا ہے''۔۔۔ (کشف المحجوب)

(یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ عن ابی حجيفة قال قال عبد الله: ذهب صفو الدنيا وبقي كدرها، فالموت تحفة لكل مسلم۔۔۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳/ ۲۸۷)

تصوف پر اعتراض اور اس کا جواب :

ناقدین تصوف کا اعتراض یہ ہے کہ تصوف کا لفظ اور اس کا نظریہ کہاں سے نکلا ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کا وجود نہ عہد نبوی میں ملتا ہے اور نہ عہد صحابہ وتابعین میں۔ یعنی خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لئے یہ درست نہیں ہے۔

اصل میں ناقدین تصوف نے تصوف کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔تصوف کی اصل اور حقیقت دین اسلام کے اہم شعبہ ''تزکیہ''اور''احسان'' میں موجود ہے۔تزکیہ کا تذکرہ متعدد مرتبہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعة:۲)

ترجمہ : وہی ذات ہے جس نے امی (عرب) قوم میں ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کرسناتے ہیں اوران کا تزکیہ کرتے ہیں اورکتاب اللہ اورحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (البقرة۔۱۲۹)

ترجمہ : بلاشبہ اللہ تعالی نے ایمان والوں پراحسان کیا ہے جب ان میں ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جوان کو اللہ کی آیات پڑھ کرسناتے ہیں اوران کا تزکیہ کرتے ہیں اورکتاب اللہ اورحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

تزکیہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کو قرآن کریم نے کارنبوت کے چاراہم ارکان میں سے ایک رکن کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔(ا) لوگوں کو قرآن کی آیات پڑھ کرسنانا(۲) ان کا تزکیہ کرنا(۳) ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دینا(۴) ان کو حکمت کی تعلیم دینا۔اللہ تعالی نے بطور احسان یہ تذکرہ کیا ہے کہ اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ یہ چاروں کام انجام دیتے تھے۔

تزکیہ کا مفہوم انسانوں کو بلند اخلاق اورعمدہ خصائل سے آراستہ کرنااور برے اوصاف اوررذائل سے پاک وصاف کرنا ہے۔قلوب کی تطہیر اورنفوس کی تعمیر ہے۔

ایمان واسلام کے ساتھ احسان کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اوراسلام کے بعد احسان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشادفرمایا:

أن تعبد الله كأنك تراه. فإن لم تكن تراه فإنه يراك۔(بخاری)

ترجمہ : تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو دیکھ نہیں سکتے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

یعنی عبادت میں یقین واستحضار کی ایسی کیفیت ہونی چاہیے کہ بندہ گویا اللہ تعالی کو سامنے دیکھ رہا ہے اوراگر یہ کیفیت حاصل نہیں ہوپائے تو کم ازکم یہ تصور ضرور رہنا چاہیے کہ اللہ تعالی اس کو دیکھ رہا ہے۔ان دونوں تصورات کے ساتھ بندہ جس خشوع وخضوع سے عبادت کرے گا وہی مطلوب ہے اوراسی کا نام احسان ہے۔الغرض یہی تزکیہ اوراحسان تصوف کی اصل اور

حقیقت ہے۔اس لئے اس کو اسلام سے خارج کی کوئی چیز قرار دینا ناواقفیت پر مبنی اور خلاف حقیقت بات ہے۔

فقہاء کرام نے دین اسلام کے علمی پہلو کی طرف توجہ کی۔قرآن وحدیث سے استنباط کر کے زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق شریعت کے احکام مرتب کئے اور امت اسلامیہ کے سامنے پیش کر دیئے۔دین کے عملی پہلو پر کام کرنے کے لئے اللہ تعالی نے صوفیہ کرام کو منتخب کیا۔ چنانچہ انہوں نے قرآن وحدیث سے ہی اخذ کر کے طریقت کے احکام پیش کئے۔ اخلاص وللہیت، زہد وتقوی، حب الہی، مخلوق کی ہمدردی وخیر خواہی، عبادت وریاضت، تواضع وخاکساری، حسن اخلاق وغمگساری جیسے اخلاق فاضلہ اور صفات حسنہ سے خود آراستہ ہوئے اور عوام الناس کو ان سے آراستہ کرنے کی کوشش کی۔

جس طرح دیگر علوم وفنون صرف نحو، بلاغت، ادب، فقہ، اصول وغیرہ عہد نبوی اور عہد صحابہ وتابعین میں اس انداز سے موجود نہیں تھے، البتہ ان کی اصل موجود تھی۔اسی طرح تصوف کی اصل بھی قرون اولی میں موجود تھی۔البتہ دیگر علوم وفنون کی طرح اس میں بھی بعد میں اضافے ہوئے اور ترقی ہوئی۔اگر کوئی چیز اس میں شریعت کے خلاف بعد کے دور میں آئی تو وہ درست نہیں ہوگی۔لیکن اس کی جو اصل ہے اور جو چیزیں شریعت کے مطابق اس میں آئی ہیں ان کو کیسے غلط کہا جا سکتا ہے؟

صوفی اور تصوف کے بارے میں اکابر صوفیہ سے جو چیزیں منقول ہیں کیا ان کو شریعت کے خلاف کہا جا سکتا ہے؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الصوفی اذا نطق بان نطقه من الحقائق وان سکت نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق۔

ترجمہ : صوفی جب گفتگو کرتا ہے تو اس کی گفتگو بیان حقائق پر مشتمل ہوتی ہے اور جب خاموش رہتا ہے تو اس کے اعضاء اس کے ماسوی اللہ سے کنارہ کش ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔۔۔(کشف المحجوب)

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التصوف ترك كل حظ النفس۔

ترجمہ : ہر قسم کے حظ نفس سے دستبرداری کا نام تصوف ہے۔

حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں:

''صوفی کا لفظ کامل اور محقق اولیاء کرام پر عائد ہوتا ہے۔مشائخ میں سے کسی نے کہا ہے کہ''من صفاه الحب فهو صافی ومن صفاه الحبیب فهو صوفی''جو محبت کے ساتھ مصفا ہو وہ صافی ہے اور جو محبوب میں محو اور غیر محبوب سے بری ہو وہ صوفی ہے۔لفظ صوفی کسی اور لفظ سے مشتق نہیں ہے۔کیوں کہ تصوف کا مقام اس تکلف سے بالاتر ہے۔اشتقاق کے لئے جنس کی ضرورت ہوتی ہے اور موجودات کی ہر چیز کثیف ہے اور صفا کی ضد ہے۔کوئی چیز اپنے ضد سے مشتق نہیں ہو سکتی''۔۔۔(کشف المحجوب)

عوام الناس سے ربط اور ان کی اصلاح کی کوشش :

صوفیہ کرام نے خالق سے اپنا ربط و تعلق مضبوط کرنے کے ساتھ اس کی مخلوق سے بھی تعلق قائم کیا اور عام لوگوں کے ساتھ محبت و دردمندی اور دل سوزی و دل بستگی کا رابطہ رکھا۔ ان کی اصلاح و تربیت کا بھی خاص خیال کیا۔ اسی لئے عوام کا جتنا گہرا تعلق اہل تصوف اور خانقاہوں سے قائم رہا وہ تعلق امراء یا علماء سے نہیں رہا۔ ہر دور میں اہل تصوف نے عوام کے دلوں پر حکومت کی ہے اور عوام میں ان کو ایسی مرجعیت حاصل ہوئی ہے کہ سلاطین وقت حیرت زدہ رہ جاتے کہ لشکروں اور پولیس کے ذریعہ عوام کی اتنی تعداد وہ جمع نہیں کر پاتے جتنی تعداد ان بوریہ نشینوں کے پاس خود سے حاضر رہتی ہے۔ اس سے ان کو اپنی حکومتوں کے بارے میں اندیشہ رہنے لگتا کہ کہیں یہ دلق پوش بوریہ نشیں لوگ حکومت پر قابض نہ ہو جائیں۔

مخلوق سے محبت اور ان کی خدمت جتنی ہو سکے کی جائے، یہ اہل تصوف کا مطمح نظر رہا ہے۔ اس میں مذہب و دین اور رنگ و نسل کا کوئی فرق نہیں ہے۔ تمام مخلوق کی خدمت اور ان کی دلجوئی اور ہمدردی ان کا شیوہ تھا۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ خدمت خلق کو طاعت و عبادت میں شمار کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> ”ایک طاعت لازمی ہے اور ایک طاعت متعدی ہے۔ طاعت لازمی تو وہ ہے جس کا فائدہ اسی ایک طاعت کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے۔ وہ نماز اور روزہ اور حج ہے، اوراد و تسبیحات اور اسی طرح کی اور چیزیں ہیں۔ لیکن طاعت متعدی وہ ہے جس سے فائدہ اور راحت دوسروں کو پہنچے۔ خرچ کرنا اور شفقت برتنا اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کے حق میں مہربانی کرنا۔ اس کو طاعت معتدیہ کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔ طاعت لازمہ میں تو اخلاص ہونا چاہیے تاکہ قبول ہو جائے لیکن طاعت معتدیہ تو جس طرح کی بھی ہو اور جیسی بھی کی جائے اس کا ثواب ہے“۔۔۔ (فوائد الفواد)

صوفیہ کرام کے ساتھ عوام کے گہرے تعلق کا اثر اصلاح حال کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ مشہور مؤرخ قاضی ضیاء الدین برنی سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”سلطان علاء الدین (خلجی) کے زمانے کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء)، شیخ الاسلام علاء الدین (صابر کلیری) اور شیخ الاسلام رکن الدین (ملتانی) سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گنہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا اور نماز کے پابند ہو گئے اور باطنی طور پر دینی مشغلہ کی طرف رغبت ظاہر کی اور ان کی توبہ صحیح ہو گئی۔ عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا۔ ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملہ کو دیکھنے سے دنیا کی حرص و محبت دلوں سے کم ہو گئی۔ ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں میں سچائی پیدا ہو گئی۔ ان کے مکارم اخلاق، ریاضات و مجاہدات کے اثر سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی۔“

آگے لکھتے ہیں:

''عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق وفجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کے زبانوں پر نہیں آنے پایا۔ بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگتے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے۔ بازار والوں کے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا''۔۔۔(بزم صوفیہ ۱۹۸۔۲۰۲)

عوام الناس اور غریب ومحتاج لوگوں کے لئے اہل تصوف اور ان کی خانقاہیں اپنی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ تھیں۔ کتنے غریب گھرانوں میں اس سے چراغ جلتے تھے اور کھانا پکتا تھا۔ ان خانقاہوں میں محتاج اور ضرورت مندوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا۔ جو نذر ونذورات آتے تھے وہ حاضرین میں اور ضرورت مندوں اور محتاجوں میں تقسیم ہوجاتے تھے۔ بعض بزرگان دین کا دسترخوان اپنی وسعت کے لئے ضرب المثل تھا۔ ہزاروں افراد روزانہ وہاں شکم سیر ہوتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ سے بعض شاہانِ وقت کو ناراضگی ہوگئی اور حکم شاہی سے درباریوں کو وہاں جانے سے روک دیا گیا، کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ ان ہی درباریوں کے ہدایا وتحائف اور نذورات سے وہاں لنگر چلتا ہے۔ لیکن حضرت کو خبر ملی تو ارشاد فرمایا کہ آج سے دسترخوان دوگنا کردو۔ جانماز کے نیچے ہاتھ ڈال کر درہم اور سکے نکال کر دیدیتے۔ اہل تصوف اور خانقاہوں کی اس خدمت خلق کا نقشہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے دلکش انداز میں کھینچا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

''غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیۂ کرام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں۔ ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا۔ گذر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین (خلجی) جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مالگذاری داخل کرنی پڑتی تھی..... یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غرباء وفقراء تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا، اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ ''مال صوفی سبیل است''

غربت وامارت کا یہ سنگم یعنی صوفیۂ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء اور غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے، اس سے غریب حاجت مند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ، کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں تؤخذ من أغنیائھم وترد علی فقرائھم (ان کے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے ضرورت مندوں کو پہنچایا جائے) کے فرمان نبوی کی تعمیل میں ارباب صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہوجاتا تھا یوں کہئے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی''۔۔۔(نظام تعلیم وتربیت: ۲۲۰)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر کرتے ہیں:

ان صوفیۂ کرام کی تعلیم وصحبت سے لوگوں میں انسانوں سے بلاتفریق مذہب وملت وبلاتخصیص نسل ونسب محبت کرنے، ان کی خدمت کرنے اور اس کے درد اور دکھ کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔ ان کا اس ارشاد نبوی پر ایمان بھی تھا اور عمل بھی کہ الخلق عیال اللہ فأحبھم إلی اللہ أنفعھم إلی عیالہ ــــ (مسند بزار ومسند ابی یعلی عن انس) مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کنبہ کے سب سے زیادہ کام آنے والا ہے۔ وہ (صوفیہ کرام) ساری دنیا کے غم خوار تھے اور بجا طور پر کہہ سکتے تھے۔ ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ایک مرتبہ اپنا حال بیان کیا کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دو چند فکر وتردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور پوچھ گچھ نہیں ہوگی جتنی دلداری اور دل خوش کرنے کی ہوگی۔''

اس کا نتیجہ تھا کہ شکستہ دلوں کو ان خانقاہوں میں پناہ بھی ملتی تھی اور دل کا مرہم بھی۔ ان مشائخ کی آغوش شفقت ان لوگوں کے لئے کھلی ہوئی تھی جن کو حکومت یا سوسائٹی یا خاندان نے اپنے دائرہ سے نکال دیا تھا یا اقبال نے منہ موڑ لیا تھا، جن کو اعزہ واقارب اور بعض اوقات اولاد تک جواب دیدیتی، وہ ان بزرگوں کے قدموں میں آکر پڑ جاتے اور گھر کا سارا آرام اٹھاتے، ہر مذہب کا آدمی یہاں اپنے دل کی بے چینی اور دماغ کی الجھن دور کرتا اور غذا اور دوا محبت اور قدر سب کچھ پاتا، خواجہ نظام الدین اولیاء کو جب ان کے شیخ نے دہلی کی طرف رخصت کیا تو فرمایا کہ ''تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی۔'' چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ستر برس تک دہلی اور دور دراز کے گوشوں سے آنے والوں نے اس درخت کی گھنی چھاؤں میں آرام کیا۔ ان صوفیہ کرام کی بدولت ہندوستان کے صدہا مقامات پر ایسے ''سایہ دار درخت'' موجود تھے جن کی چھاؤں میں تھکے ہارے مسافر اور بھولے بھٹکے قافلے آرام پاتے تھے اور نئی زندگی اور تازگی حاصل کرتے تھے'' ــــ (تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک: ۱۰۸-۱۰۹)

عہد حاضر میں تصوف کی ضرورت واہمیت:

تصوف کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے۔ حب الٰہی وحب رسالت، اطاعت وفرمانبرداری، اخلاص وللہیت، زہد وتقوی، مخلوق کی ہمدردی وبہی خواہی کی کس زمانے میں ضرورت نہیں رہی ہے۔ صوفیہ کرام نے اپنے اخلاق حسنہ سے، اپنے اعمال صالحہ سے ہر زمانے میں اپنی اہمیت ثابت کی ہے اور اہل زمانہ نے ان کی اہمیت تسلیم کی ہے۔

اس وقت دنیا کے حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ ساری دنیا مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ نظر آتی ہے۔ اعلانیہ اور مخفی طور

سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر جگہ سازشیں ہورہی ہیں۔سرزمین ہند اور ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلائے جارہے ہیں۔سادہ ذہنوں کو مسموم کیا جارہا ہے۔اہل اسلام کو ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ظالم قومیں عالم اسلام اور مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھ کر نگلنے کی کوشش کررہی ہیں۔مسلم ممالک کے حکمراں اپنی ناعاقبت اندیشی اور اپنی حکومتوں کو بچانے کے لئے ان ظالموں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ایسے حالات میں اہل اسلام مضطرب و پریشان ہیں،اس کا کوئی حل ان کو نظر نہیں آرہا ہے۔

ایسے دگرگوں حالات میں تصوف اور خانقاہوں سے ہمیں اس کا حل مل سکتا ہے۔اس کی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے کم ازکم ہندوستان کے حالات میں ہمیں حالات کو بدلنے کی تدبیر مل سکتی ہے۔

(۱) برادران وطن کے ساتھ تعلق وہمدردی،ان کی پریشانیوں میں ان کا ساتھ دینا،ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا،ان کی ضروریات میں ان کا تعاون کرنا۔یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے برادران وطن کے ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف جو زہر بھر دیا گیا ہے اس کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ہمارے بزرگان دین وصوفیہ کرام جو باہر سے ہندوستان تشریف لائے تھے انہوں نے اپنے اعمال حسنہ واخلاق سے ہی یہاں کی قوم کے دل جیت لئے تھے اور ان کے حسن سلوک ومساوات کو دیکھ کر یہ قوم جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئی تھی۔تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگاں معین الدین چشتی قدس سرہ کے ساتھ کون سا لشکر تھا۔وہ اپنے چند اصحاب کے ساتھ اجمیر تشریف لائے تھے۔انہوں نے اپنے حسن اخلاق سے پورے علاقے کو بلکہ پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔ان کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا دہلی کے عوام الناس سے ایسا تعلق تھا کہ جب حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ ان کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے لگے تو سارا شہر دہلی چھوڑ کر ان کے ساتھ اجمیر جانے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے اخلاق وسلوک سے متاثر ہوکر ہزاروں ہزار ہنود نے اسلام قبول کیا تھا۔حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے عوام الناس سے تعلق کا کچھ ذکر اوپر آچکا ہے۔صوفیہ سے تعلق رکھنے والوں عوام میں ہنود ومسلمان ودیگر مذاہب کے تمام لوگ ہوتے تھے۔اسی سے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت ہوئی۔حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ پھلواروی قدس سرہ کے پاس ایک جوگی آیا،وہ بہت ریاضت کئے ہوئے تھا،لیکن اس کی ترقی اس کے کفر کی وجہ سے رک گئی تھی۔اس نے تنہائی میں حضرت سے ملاقات کی اور واپس چلا گیا۔وہ اپنے علاقہ میں جھوم جھوم کر کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھنے لگا۔اس کے لوگوں نے کہا تم تو مسلمان ہوگئے۔اس نے کہا۔میں کچھ نہیں جانتا۔بس میرے حضرت نے یہی بتایا ہے۔اس کے پڑھنے سے میری ساری مشکل دور ہوگئی ہے۔

آج بھی خانقاہوں سے ہنود اور غیر مسلموں کا تعلق مستحکم ہے۔وہ ہر موقع پر عرس وفاتحہ میں آتے ہیں۔اپنی پریشانیوں

میں دعاء وتعویذ لینے بزرگوں کے پاس خانقاہوں میں ہی جاتے ہیں، مزارات پر حاضری دیتے ہیں۔اس لئے اب بھی اہل تصوف اور خانقاہ والوں کے پاس اپنے حسن اخلاق اور ہمدردی وخیر خواہی سے ان کے ذہنوں کو اور ان کے ذریعہ دوسرے غیر مسلموں کے مسموم ذہنوں کو صاف کرنے کا بہترین موقع ہے۔اگر اس پر منصوبہ بند طریقے سے کام کیا جائے تو اچھا نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں مسلکی جھگڑا اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہر طبقہ دوسرے کو اسلام سے خارج کرنے پر تلا ہوا ہے۔ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہے۔ایک طبقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے، دوسرا پہلے کو گمراہ کہتا ہے۔ایک طبقہ کے نزدیک دوسرے طبقہ سے سلام وکلام، ان کے ساتھ دعوت میں شرکت، ان کے یہاں خوشی یا غم میں جانا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت جیسی چیزوں سے اسلام چلا جاتا ہے اور نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

آپ نے کچھ عرصہ پہلے آر ایس ایس کے ایک لیڈر کا انٹرویو ضرور سنا ہوگا، جس میں وہ کہہ رہا تھا کہ ہم مسلمانوں کو فرقوں میں بانٹنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو متحد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔مسلمانوں کے تقسیم ہونے سے ان کا وزن ختم ہوجائے گا، ان کی طاقت جاتی رہے گی۔اپنی قوم کے متحد ہوجانے سے ہم کو پوری طاقت مل جائے گی اور ہم مسلمانوں کے خلاف جو چاہیں گے کریں گے۔

مسلمانوں کے فرقوں میں اختلاف کو دور کرکے اتحاد قائم کرنا آسان نہیں ہے۔دونوں طبقوں کے دل ایک دوسرے سے اس قدر ٹوٹ ہوچکے ہیں اور آپس میں نفرت کی ایسی دیوار حائل ہوچکی ہے کہ ان دلوں کو جوڑنا اور اس دیوار کو ڈھانا بہت مشکل ہے۔البتہ یہ کام صرف خانقاہیں کرسکتی ہیں۔کیونکہ اہل تصوف کے پاس خانقاہوں میں دونوں فرقوں کے لوگ آتے ہیں اور عقیدت واحترام سے ملتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں۔اس لئے یہیں سے دونوں جماعتوں کو ملانے کی کوشش کامیاب ہوسکتی ہے۔مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔محبت کے چھینٹوں سے نفرت کی اس آگ کو بجھایا جاسکتا ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ دونوں جماعتیں اپنے مسلک کو چھوڑ دیں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔وہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی مسائل میں اتحاد واتفاق کریں۔ایک دوسرے کو برا بھلا، کافر ومشرک کہنا چھوڑ دیں۔ملک وملت کے سلگتے مسائل میں باہم جمع ہوکر غیروں کے یلغار کو روکیں۔باہمی مشورہ سے جو مناسب طریقہ ہو اس پر عمل کریں۔ورنہ ؎

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اسلام میں وطن پرستی کا مفہوم

● ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری ـــ خانقاہ منیر شریف، پٹنہ

وطن پرستی کا فلسفہ و اصول تاریخی اعتبار سے بہت قدیم نہیں ہے اور اس کا تصور آج سے تقریباً ساڑے تین سو (۳۵۰) سال پہلے اُس وقت عالم وجود میں آیا جب یورپ میں صنعتی انقلاب کا آغاز ہوا اور دوسری طرف امریکہ اور فرانس میں انقلاب کا بگل بجا اور سرحدوں کا تعین شروع ہوا۔ ورنہ نا تو اٹلی ایک تھا نا ہی فرانس، ہر جگہ اجتماعی معاشرہ تھا جس کی بنیاد ہر چند کہ زبان یا نسل کی بنیاد پر تھی تاہم جغرافیائی حدیں اتنی جامع نہ تھیں، نہ مَن وتُو کے فاصلے زیادہ تھے۔ جب ایک ریاست کا تصور پیدا ہوا تو اجتماعی قومی شناخت کا بھی آغاز ہوا اور قومی شناخت انفرادی یا ثقافتی شناخت سے بالاتر قرار پائی۔ اس طرح ایک انسانی گروہ دوسرے انسانی گروہ سے الگ ہوگیا۔ انسانی گروہوں کے درمیان قائم شدہ یہ مصنوعی فاصلہ قوم پرستی کی اصل بنیاد ہے۔

وقت کی رفتار کے ساتھ قوم پرستی کے پیمانے مقرر ہوئے جن میں قومی لباس، قومی دن، قومی ترانے اور قومی جشن شامل ہیں اور اگر کوئی اِن میں حصہ نہ لے تو اُسے دشمن یا باغی سمجھا جائے گا۔ وطن پرستی آنکھیں بند کر کے صرف اپنے وطن یعنی اپنے ملک کی عظمت کا اعادہ کرنا سکھاتی ہے اور اپنے ملک پر ہمہ دم فخر کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ چاہے ملک اخلاقی طور پر کچھ غلط ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ قوم پرستی سکھاتی ہے کہ ملک سے عقیدت ہر شہری کی اول ترجیح ہونا لازمی ہے۔ ایک وطن پرست اپنے ملک کے کارناموں کا ڈنکا پیٹتا ہے مگر اپنے ملک کی کمیوں اور کمزوریوں پر کبھی نظر نہیں ڈالتا ہے اور کسی بھی دوسرے کے مقابلے میں خود کو ممتاز تصور کرتا ہے۔ یا دوسروں کو اپنا مخالف اور دشمن مانتا یا تصور کرتا ہے۔ امریکی قوم پرستی جرمن قوم پرستی اور ہندو قوم پرستی یہ سب تصورات اور نظریے مہلک قوم پرستی کی مثالیں ہیں۔

عرب قومیت اور عرب لیگ کا قیام :

عربوں کو ملانے کے لئے جدید عرب قوم پرستی کی بنیاد ۱۹۱۶ء میں رکھی گئی جب عرب قوم کے لوگ ترک قوم کے خلاف کھڑے ہوئے اِس قومیت کی بنیاد کا سبب مندرجہ ذیل چیزیں بنیں:

(۱) پوری عرب قوم کا تاریخی اعتبار سے ایک قوم ہونا۔

(۲) سارے عرب ممالک میں ایک زبان (عربی) کا ہونا۔

(۳) سرمایۂ فکری (التراثُ الفکری) کا ایک ہونا۔

(۴) مشترکہ طور پر سارے عرب ممالک خلیج فارسی (الخلیج العربی) سے بحر اوقیانوس تک ہیں اُن کے سیاسی، سماجی، تعلیمی، مذہبی مسائل کا تقریباً ایک طرح کا ہونا۔

(۵) اسی لئے عرب لیگ کا قیام ۲۲/مارچ ۱۹۴۵ء کو ہوا۔

تعارفِ عرب لیگ :

عرب لیگ ایک عالمی تنظیم ہے جس کا قیام ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ابتدائی مرحلہ میں عرب لیگ کے ممبرس مندرجہ ذیل ملک تھے:

سوریہ، مملکتِ اردنیہ، عراق، سعودی عرب، لبنان، مصر اور یمن۔

پھر مندرجہ ذیل عرب ممالک بھی عرب لیگ کے ممبر بن گئے:

لیبیا، سوڈان، مراکش، ٹیونیشیا، کویت اور جزائر۔

جمال عبدالناصر صاحب اور عرب قومیت :

مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی عملی زندگی ایک فوجی اوفیسر کی حیثیت سے شروع ہوئی اور وہ ۱۹۴۸ء کی جنگ فلسطین میں شریک ہوئے اور جنگی قیدی بنائے گئے۔ اُسی وقت سے انہوں نے مصر کی ملوکیت کے خلاف انقلاب کا منصوبہ بنانا شروع کیا اور فوج کے اوفیسروں کے ساتھ خفیہ طور پر مشورے شروع کئے اس کے نتیجہ میں ۲۳/جولائی ۱۹۵۲ء کو کامیاب انقلاب ہوا جس کے بعد ملوکیت کا مصر سے خاتمہ ہوگیا۔ جنرل نجیب نے قوم کو انقلاب کے کامیاب ہونے کی خوش خبری سنائی۔

کرنل جمال عبدالناصر اور ساتھیوں نے جنرل نجیب کو مصر کے صدر کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ لیکن جنرل نجیب کا صدارتی دور بہت مختصر مدت کے لئے رہا، اُن کے بعد کرنل جمال عبدالناصر نے مصر کی قیادت سنبھال لی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کرنل جمال عبدالناصر نے مصری قیادت کے بعد ابتدائی دور میں مصر میں بہت سارے اصلاحی کام کئے اور نہر سویس پر ۱۹۵۶ء میں قبضہ کرلیا۔ نہر سویس پر مصر کے قبضہ کے بعد اسرائیل، انگلینڈ اور فرانس نے مصر کے خلاف جنگ شروع کردی، اِس سہ طرفہ (العدوان الثلاثی) جنگ کے خلاف پوری دنیا نے آواز بلند کی اور بالآخر جنگ ختم ہوئی اور مصر کی جیت کا اعلان ہوا۔

کرنل جمال عبدالناصر بحیثیت عرب ہیرو :

مصر کی سہ طرفہ جنگ میں جیت کے بعد کرنل جمال عبدالناصر عرب دنیا کے ہیرو بن گئے۔اپنی مقبولیت دیکھ کر کرنل ناصر نے مصر اور سوریہ کے درمیان اتحاد کرلیا۔سوریہ اور مصر کے اتحاد کے بعد متحدہ عرب جمہوریت (الجمهورية العربية المتحدة) سوریہ اور مصر کا نام رکھ دیا نیز دونوں ملکوں کے درمیان عرب قومیت کے موضوع پر دسیوں کتابیں لکھی گئیں۔ مصر نے صوت العرب (عرب کی آواز) کے نام سے ایک ریڈیو اسٹیشن قائم کیا اور احمد سعید نام کے ایک شخص کو اس کا ذمہ دار بنایا۔احمد سعید نے میڈیا کے اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کرنل ناصر کی تائید شروع کر دی۔پھر سعودی عرب، یمن مملکت اردن اور بہت سے ملکوں نے کرنل ناصر کی مخالفت شروع کی، پوری عرب دنیا کا ایک عجیب ماحول بن گیا، کرنل ناصر کی پالیسی بری طرح ناکام رہی، کرنل ناصر نے یمن میں اپنی فوج اتار دی، سعودی عرب نے یمن کا ساتھ دیا، جنگ تقریباً دس سال چلی، بالآخر شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے یہ جنگ ختم ہوئی اور نظریہ قومیتِ عرب کی حقیقت واضح ہوئی۔

کرنل جمال عبدالناصر اور ان کے ہم خیال عرب لیڈروں کے نظریہ کی مخالفت میں سعودی عرب میں "الجامعۃ الاسلامیۃ" مدینہ منورہ میں قائم ہوئی اور مکہ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا، جس کی وجہ سے پوری دنیا کے مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

کرنل ناصر کا اخوان مسلمون کو ختم کرنا :

اخوان مسلموں نے جب نظریۂ عرب قومیت کی مخالفت کی تو اُن پر بے بنیاد الزامات لگا کر جیل میں نہ صرف بند کر دیا گیا بلکہ بہت سے ممبران مسلمون شہید کر دیے گئے جن میں عبدالقادر عودہ اور سید قطب شامل ہیں۔

اسلام میں وطن پرستی کا مفہوم :

وطن اور اس کی مٹی سے انسیت لازمی اور فطری عمل ہے جو ایک نہایت شریفانہ جذبہ ہے۔وطن سے محبت کی اسلام نے اجازت دی ہے لیکن اس کے اصول وضوابط بھی بتائے ہیں ان اصول وضوابط کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسلام میں قومیت کی بنیاد مذہب اسلام پر ہے نا کہ ملک، جغرافیائی حدود ونسل پر۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام حق کو چھوڑ کر وطن پرستی کو ترجیح دے تو اس کے ایسے اعمال صریحاً شرک کی علامات ہیں۔اِسی لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وطن پرستی شرک کا چور دروازہ ہے۔شاید اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال انسانیت اور فلاح و بہبود کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآنی تصور پیش کرتے ہیں کہ ہمارا اگر وطن ہوسکتا ہے تو وہ اسلام ہے جس کی کوئی جغرافیائی حد بندی نہیں بلکہ:

چین وعرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

قومیت اور وطنیت کا اسلام میں محدود تصور نہیں ہے، بلکہ مذہب اسلام وطن پرستی کے نظریے کو خارج کرتا ہے کیوں کہ:

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دین نبوی ﷺ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

عقیدۂ وطن پرستی کا اسلام مخالف تو ضرور ہے لیکن وطن کی محبت کو تسلیم کرتا ہے کیوں کہ:

بوئے وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
خاکِ وطن از ملک سلیماں خوشتر

جناب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ کو ہمیشہ یاد کیا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی مکہ مکرمہ کو ہمیشہ یاد کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں اس قدر ستائے گئے، تاہم اُن کو جب مکہ مکرمہ یاد آتا تھا تو روتے تھے اور اِس طرح کے اشعار پڑھتے تھے:

ألاَ لَیتَ شعری ھل ابیتن لَیلَۃً
بِوادٍ و حَولی اُذخُرٌ و جَلیل

ترجمہ : آہ کیا کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور میرے ارد گرد اُذخُر اور جلیل ہوں (مکہ کی دو گھانسوں کے نام اُذخر اور جلیل)۔

خطبۂ حَجۃ الوداع :

خطبۂ حَجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب (یعنی تقویٰ کی وجہ سے) فضیلت ہے۔

غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع :

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال ایک عمارت کی ہے جس کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں ملت میں تفریق روا نہیں۔

غزوۂ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ ابھی چشمۂ مریسیع پر قیام فرما ہی رہے تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے اِن ہی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مزدور بھی تھا جس کا نام جہجاہ غفاری تھا۔ پانی کے چشمہ پر ایک اور شخص سِنان بن دبر جہنی سے اُس کی پانی کے لئے دھکم دھکا ہوگئی اور دونوں لڑ پڑے پھر جہنی نے پکارا: یا معشر الأنصار ''انصار کے لوگو! مدد کے لئے پہنچو اور جہجاہ نے آواز دی: یا معشر المھاجرین! مہاجرین مدد کے لئے آؤ۔ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس وہاں تشریف لائے اور فرمایا'' میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور جاہلیت کا نعرہ لگایا جا رہا ہے اِس نعرہ کو چھوڑو کیوں کہ یہ بدبودار نعرہ ہے۔۔۔ (سنن ترمذی، الرحیق المختوم)

قوم دراصل رجال کی جماعت کا نام ہے یہ باعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن کسی بھی رنگ یا شکل میں ہو سکتی ہے۔ اِس کے برعکس ملت جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترکہ گروہ بناتی ہے۔ اسلام بنی نوع انسانی کو اخوت و یگانگت کی لڑی میں پرو کر ایک عمدہ ترین اور عظیم الشان ملت اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ مگر فطرت انسانی بت پرستی کی اتنی عادی ہے کہ ہمیشہ نیا بت تراش لیتی ہے۔ وطنیت بھی ایک ایسا ہی بت ہے کہ جس نے عالم اسلام کو عالم عربی میں تبدیل کر دیا۔

مسلمان کی قومیت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں :

اسلام ایک پیغام الٰہی ہے اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف سے نہ صرف عام مسلمانوں نے بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اعراض و تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے کو اُنھیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے جن معنوں میں دنیا کی قومیں اپنے کو سمجھتی ہیں ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے، کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا، اور ان میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں، بلکہ مذہب کی بنیاد پر ہے، حالاں کہ حقیقت اس سے بھی زیادہ آگے ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے۔۔۔ علامہ سید سلیمان ندوی (چراغ راہ، سلوک سلیمانی)

اقبال کا مردمومن :

میرے استاد ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضہم فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر اقبال نے زمین اور اس کی پستیوں پر نگاہ ڈالی، انہوں نے آفاق میں گم ہو کر مردمومن کے مقام کی تلاش و جستجو کی، بالآخر انھیں نظر آیا کہ مردمومن کا مقام اِس وسیع کائنات میں بہت بلند و بالا ہے، اِس زمین کی پستیوں میں اس کا مقام نہیں ہے، اقبال کے مردمومن کو رنگ ونسل اور قوم ووطن کی حدود میں بند نہیں کیا جاسکتا اِن کی نظر میں ایک مومن کی پہچان یہ ہے کہ آفاق اس میں گم ہو اور وہ زمان ومکان کی حدود سے متجاوز ہو۔

اس کی زمین بے حدود اس کا افق بے ثغور
ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی ❁ ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

ڈاکٹر اقبال پورے یقین و ایمان و اطمینان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تمام مومن ایک خاندان ہیں وہ فرماتے ہیں ''جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے''۔ (غبار کارواں) رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور قومیت عربیہ کا فتنہ :

''قومیت عربیہ جیسے فتنوں کا ندوی فضلاء نے مقابلہ کیا، ندوۃ العلماء کے ترجمان ''البعث الاسلامی'' نے قومیت عربیہ پر کھل کر تنقید کی اتنی زبردست تنقید کہ مصری سفارت خانہ چیخ اٹھا، جمال عبد الناصر کو جو منتخب تحریریں پیش کی جاتی تھیں، اس میں ''البعث الاسلامی'' کا افتتاحیہ بھی ہوتا تھا''۔۔۔ (مجالس علم وعرفان از مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری)

مضمون کا خلاصہ :

وطن پرستی کے برعکس حب الوطنی اپنے وطن سے جہاں آدمی پیدا ہوتا ہے اور جہاں اس کی نشو نما ہوتی ہے، اس سرزمین سے لگاوٹ کا مظہر ہے کیونکہ حب الوطنی میں ملک سے انسیت اور یگانگت کا عنصر خود بخود شامل رہتا ہے۔ حب الوطنی ہمیں اپنے وطن پر فخر کرنا سکھاتی ہے مگر اس کی خامیوں پر بھی نظر رکھتی ہے۔ شہریوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے۔ ایک محب وطن شخص ہمیشہ اپنے آئینی حقوق وفرائض سے آشنا ہوتا ہے اور ہمیشہ عدل وانصاف کی پیروی کرتا ہے۔

قرآن کریم کی وطن پرستی سے متعلق وضاحت سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ میں اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ — (الحجرات)

ترجمہ : لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ

پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

آیت نمبر ۱۳؍ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ:

(۱)　تم سب کی اصل ایک ہے۔ یعنی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔

(۲)　اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تم قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔

(۳)　انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی چیز ہے یا ہو سکتی ہے تو صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرنے والا۔ برائیوں سے بچنے والا اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو—(تفہیم القرآن جلد پنجم)

اسلام کی عالم گیریت :

مذہب اسلام چونکہ عالم گیریت کا حامل رہا ہے اس لئے اس میں قومیت کا محدود نظریہ کبھی سما نہیں سکتا۔ ہر چند کہ بیسویں صدی میں مغربی طاقتوں نے مشرق وسطیٰ میں سازشوں سے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے اس خطے کو درجن بھر حصوں سے زائد میں منقسم کر دیا مگر پھر بھی وطن پرستی کے سیکولر تقاضوں کو پوری طرح نافذ نہیں کر سکیں کیونکہ اسلامی مزاج میں ایک ایسی داخلی قوتِ مزاحمت پنہاں ہے جو تمام منفی اور خارجی محرکات کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتی اور ایسی تمام کوششوں کا مقدر شکست کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

****

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ''المجیب'' میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ''المجیب'' پھلواری شریف، پٹنہ

ماہ رمضان اور روزہ کے فضائل وآداب

● مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی ـــــ استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

رمضان المبارک کا مہینہ نہایت بابرکت مہینہ ہے اس ماہ مبارک کی فضیلت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ ـــ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ : رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اُتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔

ماہ رمضان اور اس کے روزے کی فضیلت واہمیت پر لاتعداد روایتیں موجود ہیں جن میں ماہ رمضان اور روزے کے فضائل وبرکات کثرت سے بیان کئے گئے ہیں، چند احادیث کریمہ ملاحظہ کریں، اختصار کے مدنظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:

فضیلت رمضان :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے ـــ (بخاری، کتاب الصوم، ج:۲، ص:۶۷۲)

دوسری روایت انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں پس ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ ایک ندا دینے والا پکارتا ہے: اے طالب خیر! آگے آ، اے شر کے طلب گار! رک جا اور اللہ تعالیٰ

کئی لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ ماہ رمضان کی ہر رات یونہی ہوتا رہتا ہے۔۔۔ (ترمذی، کتاب الصوم، ج: ۳، ص: ۶۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے لے کر دوسرا جمعہ پڑھنا اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے روزے رکھنا، ان کے درمیان واقع ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں، جب تک کہ انسان گناہ کبیرہ نہ کرے۔۔۔ (مسلم، کتاب الطہارۃ، ج: ۱، ص: ۲۰۹)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت مروی ہے انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطاب کیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض اور راتوں کے قیام کو نفل کیا ہے۔ جو شخص اس میں قرب الٰہی کی نیت سے کوئی نیکی کرتا ہے اسے دیگر مہینوں میں ایک فرض ادا کرنے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور جو شخص اس میں ایک فرض ادا کرتا ہے گویا اس نے باقی مہینوں میں ستر فرائض ادا کیے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہی ہے۔ یہ غم خواری کا مہینہ ہے، اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کراتا ہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اسے دوزخ سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ نیز اسے اس (روزہ دار) کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس سے اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک روزہ افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ثواب اللہ تعالیٰ ایک کھجور کھلانے یا پانی پلانے یا دودھ کا ایک گھونٹ پلا کر افطاری کرانے والے کو بھی دے دیتا ہے۔ اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے۔ درمیانہ حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اپنے ملازم پر تخفیف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور اسے دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اس میں چار کام زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرو۔ دو کاموں کے ذریعے تم اپنے رب کو راضی کرو گے اور دو کاموں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ جن دو کاموں کے ذریعے تم اپنے رب کو راضی کرو گے ان میں سے ایک لاالہ الااللہ کی گواہی دینا ہے اور دوسرا اس سے بخشش طلب کرنا ہے۔ جن دو کاموں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوسرا یہ ہے کہ دوزخ سے پناہ مانگو۔ جو شخص روزہ دار کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے پانی پلائے گا۔ اسے جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔۔۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج: ۳، ص: ۱۹۱، شعب الایمان، ج: ۳، ص: ۳۰۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری اُمت کو ماہ رمضان میں پانچ تحفے ملے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ پہلا یہ ہے کہ جب رمضان کی

پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ التفات فرماتا ہے اور جس پر اُس کی نظرِ رحمت پڑ جائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا۔ دوسرا یہ ہے کہ شام کے وقت ان کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ فرشتے ہر دن اور ہر رات ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ چوتھا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جنت کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندوں کے لیے تیاری کرلے اور مزین ہو جا، تاکہ وہ دنیا کی تھکاوٹ سے میرے گھر اور میرے دارِ رحمت میں پہنچ کر آرام حاصل کریں۔ پانچواں یہ ہے کہ جب (رمضان کی) آخری رات ہوتی ہے ان سب کو بخش دیا جاتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: کیا یہ شبِ قدر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ جب مزدور اپنے کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو انہیں پوری پوری مزدوری دی جاتی ہے۔ (شعب الایمان، ج: ۳، ص: ۳۰۳، الترغیب والترھیب، ج: ۲، ص: ۵۶)

فضیلت روزہ :

جس طرح ماہ رمضان کی فضیلت و برکت پر کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں بھی بہت سی احادیث منقول ہیں، چند حدیثیں روزے کی فضیلت سے متعلق بھی ملاحظہ کریں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول للہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان میں بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے روزہ رکھا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (بخاری، کتاب الایمان، ج: ۱، ص: ۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اُسی کے لیے ہے سوائے روزے کے، کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور اُس کی جزا میں ہی دیتا ہوں۔ روزہ ڈھال ہے اور جس روز تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو نہ فحش باتیں کرے اور نہ جھگڑے۔ اگر اُسے کوئی گالی دے یا لڑے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد مصطفی ﷺ کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جن سے اُسے فرحت ہوتی ہے۔ جب افطار کرے تو خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزے کے (عظیم اجر کے) باعث خوش ہوگا۔ (بخاری، کتاب الصوم، ج: ۲، ص: ۶۷۳)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدمی کا ہر عمل اس کے لئے ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کرتا ہوں، یقیناً وہ (روزہ دار) کھانا اور شہوت نفسانی کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے اور اپنا پینا اور شہوت میری وجہ سے ترک کرتا ہے، پس وہ (روزہ) میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کرتا ہوں۔ (سنن دارمی، ج: ۲، ص: ۴۰، مسند احمد بن حنبل، ج: ۲، ص: ۴۴۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو رَیَّان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے روز اُس سے (صرف) روزہ دار داخل ہوں گے اور اُن کے سوا اُس سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ (اس دروازہ میں سے داخل ہونے کے لئے) روزے دار کھڑے ہو جائیں گے۔ اس دروازہ میں سے ان کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔ پھر جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور کوئی دوسرا اُس سے داخل نہیں ہوگا۔۔۔ (بخاری، کتاب الصوم، ج: ۲، ص: ۶۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر چیز کی کوئی نہ کوئی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے، محرز نے اپنی روایت میں یہ اِضافہ کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: روزہ آدھا صبر ہے۔۔۔ (ابن ماجہ، کتاب الصیام، ج: ۱، ص: ۵۵۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے جو شخص صبح کے وقت روزہ دار اٹھے اور اس دن وہ بدتمیزی نہ کرے، اگر کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ بدتمیزی کرے تو وہ اسے گالی نہ دے، برا نہ کہے بلکہ یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے! بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔۔۔ (نسائی، کتاب الصیام، ج: ۲، ص: ۱۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

روزہ اور قرآن بندے کے لیے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے کھانے پینے اور خواہش نفس سے روکے رکھا لہٰذا اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روکے رکھا (اور قیام اللیل میں مجھے پڑھتا یا سنتا رہا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔۔۔ (مسند احمد بن حنبل، ج: ۲، ص: ۱۷۴)

مذکورہ احادیث کریمہ سے خوب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس ماہ مبارک کو کس قدر فضیلتوں سے نوازا ہے اور اس مہینے میں رکھے جانے والے روزوں میں کتنی برکتیں ہیں اور ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جو چیز جتنی فضیلت مآب اور بابرکت ہوتی ہے اس کے آداب بھی اسی قدر زیادہ ہوتے ہیں۔

یوں تو ہر شئ کے لئے آداب ہوا کرتے ہیں مگر سب سے اعظم و اکمل ادب اللہ و رسول کا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر و نواہی کو مانیں اور حتی الامکان ان کے حقوق کی ادائیگی میں شب و روز مصروف عمل رہیں، چنانچہ جس طرح نماز، زکوۃ، حج اور دیگر عبادات کے لئے آداب ہیں اسی طرح ماہ رمضان اور اس کے روزے کے لئے بھی آداب ہیں جن کی بجا آوری کے بغیر ہم اس کے فضائل و برکات سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں چند آداب جمع کئے گئے ہیں:

آداب ماہ رمضان :

(۱) ماہ رمضان کو پانے کی دعا کرنا، حضور اکرم ﷺ ماہ رجب سے ہی اس کی بازیابی کے لئے دعا فرماتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جب ماہ رجب آتا تو نبی کریم ﷺ فرماتے: اے اللہ! ہمارے لیے ماہ رجب اور ماہ شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دے۔۔۔ (مجمع الزوائد، ج: ۳، ص: ۱۴۰)

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، طبرانی نے المعجم الاوسط میں اور بزار نے اپنی مسند میں بھی نقل کیا ہے۔

(۲) رمضان کی خاطر شعبان کے چاند کو شمار کرنا اور اس کی تاریخوں کا اہتمام کرنا۔ حضور اکرم ﷺ ماہ شعبان کے چاند اور اس کی تاریخوں کا خوب اہتمام فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

حضور اکرم ﷺ شعبان کا جس قدر تحفظ کرتے تھے اتنا کسی اور مہینہ کا نہیں کرتے تھے۔۔۔ (ابو داؤد، ج: ۱، ص: ۳۱۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شعبان کے چاند کی گنتی کا مکمل خیال رکھو اور شعبان کے چاند کو رمضان کے چاند سے نہ ملا دو اور بے خیالی میں کبھی شعبان ہی میں رمضان کے روزے نہ رکھ لو۔۔۔ (سنن دار قطنی، ج: ۲، ص: ۲۱۷)

(۳) رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھنا: اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَ الْاِیْمَانِ وَ السَّلَامَۃِ وَ الْاِسْلَامِ۔۔۔ (ترمذی، ابواب الدعوات، ج: ۴، ص: ۱۸۳)

(۴) اپنے ملازم، نوکر اور ماتحتوں کے ساتھ شفقت ونرمی کا سلوک کرنا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام وخادم کے بوجھ کو ہلکا کر دے حق تعالی شانہ اس کی مغفرت فرماتا ہے، اور اس کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔۔۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج: ۱، ص: ۱۹۱)

(۵) اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنا، دل کھول کر خیرات وصدقات لٹانا اور غریبوں مجبوروں پر خرچ کرنا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رمضان المبارک میں حضور اکرم ﷺ کی سخاوت کے متعلق فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ ﷺ رمضان میں اس وقت بہت زیادہ سخی ہو جاتے جب آپ ﷺ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ملاقات کرتے اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے تو آپ ﷺ تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔۔۔ (بخاری، کتاب الصوم، ج: ۱، ص: ۴۵۵)

(۶) رمضان کے مہینے میں کثرت سے کلمہ طیبہ کا ورد کرنا اور خوب توبہ واستغفار کرنا، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو: کلمۂ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرو۔جنت کی طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو۔(صحیح ابن خزیمہ،کتاب الصیام،ج:۳،ص:۱۹۱)

(۷) رمضان المبارک کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا،خصوصاً آخری عشرہ کی راتوں میں نماز وتلاوت کا کثرت سے اہتمام کرنا،ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو حضور ﷺ اپنی تہبند مضبوط باندھ لیتے ،اور خود بھی رات کو بیدار رہتے ، اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔(بخاری،کتاب فضل لیلۃ القدر،ج:۱،ص:۴۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی بیان ہے:

جب ماہ رمضان شروع ہو جاتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا کمرِ ہمت کس لیتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔(صحیح ابن خزیمہ،ج:۳،ص:۳۴۲)

ایک اور روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ انہوں نے فرمایا:

جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو آپ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور آپ ﷺ نمازوں کی (مزید) کثرت کر دیتے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی وگڑگڑا کر دعا کرتے اور اس ماہ میں نہایت محتاط رہتے۔(شعب الایمان،ج:۳،ص:۳۱۰)

آداب روزہ :

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے روزہ رکھنا،حدیث میں ہے کی جس شخص نے ایمان اور ثواب پانے کی امید سے رمضان کا روزہ رکھا،اس کے اگلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(۲) سحری کرنا،خواہ ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو،حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

سحری کرو؛اس لئے کہ سحری میں برکت ہے۔(بخاری،کتاب الصوم،ج:۱،ص:۲۵۷)

(۳) افطاری میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

افطاری میں جلدی کرو،اور سحری کو مؤخر کرو۔(کنز العمال،کتاب الصوم،باب الافطار،۸:۵۱۰)

افطاری میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی یا جب ظن غالب ہو کہ سورج غروب ہو گیا ہے، فوراً روزہ افطار کر لینا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

لوگ ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک جلد افطار کرتے رہیں گے۔(بخاری،کتاب الصوم)

ابو داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ جلدی افطار کریں گے تب تک وہ (دشمنوں کے مقابلے میں) غالب ہی رہیں گے۔(ابو داؤد،کتاب الصیام،ج:۱،ص:۳۶۱)

آفتاب پوری طرح غروب ہوجانے کے بعد بغیر کسی عذر کے افطاری میں دیر کرنا مکروہ ہے، ہاں! کوئی عذر ہوتو تاخیر مکروہ نہیں، افطاری میں جلدی کرنے میں وقت غروب کا خاص خیال رہے، کہیں سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے افطاری کرلی تو روزہ ضائع ہوجائے گا۔

(۴) تر کھجور کے ساتھ روزہ افطار کرنا، تر کھجور میسر نہ ہوتو خشک کھجور کے ساتھ اور اگر خشک کھجور بھی موجود نہ ہوتو پھر پانی کے ساتھ افطار کرلیا جائے۔

ابو داؤد وترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راویت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز سے پہلے تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے، تر کھجوریں نہ ہوتیں تو چند خشک کھجوروں سے اور اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو چند چلّو پانی پیتے۔۔۔(ترمذی، ابواب الصوم، ج:۲،ص:۱۶۲، ابوداؤد، کتاب الصیام، ج:۱،ص:۳۶۱)

(۵) افطار کے وقت دعا پڑھنا، ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ افطار کے وقت یہ دُعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔(ابوداؤد، کتاب الصیام، ج:۲، ص:۴۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ۔(ابوداؤد، کتاب الصیام، ج:۱،ص:۳۶۱)

(۶) روزے داروں کو افطار کرانا، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی روزے دار کو افطار کرائے تو اس کے لئے بھی روزے دار کے مثل اجر ہوگا، مگر روزے دار کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔۔۔(ترمذی، ابواب الصوم، ج:۱،ص:۱۲۲)

روزہ افطار کرانے کا عمل بہت بابرکت اور نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کی فضیلت سے مجال انکار نہیں، لیکن آج کل اس نیک عمل کو بھی ریا ونمود اور شہرت ونام آوری کا خاص ذریعہ بنالیا گیا ہے، اس کو افطار پارٹی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس میں ریا ونمود، رزق کی بے حرمتی، اسراف وفضول خرچی اور مختلف بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں، جس سے عبادت کا تصور عنقا ہوتا جارہا ہے، افطار پارٹی رفتہ رفتہ ایک رسم بد کی شکل اختیار کرچکی ہے اور ہر جگہ فیشن کے طور پر اس کو منعقد کرنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔

(۷) روزے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ سحری کھائی جائے اور تاخیر کے ساتھ کھائی جائے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سحری میں تاخیر کیا کرو اور سحری میں تاخیر کرنا حضور ﷺ کا معمول بھی تھا، جیسا کہ حضرت انس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ ﷺ نماز کے لئے اٹھے (تیار ہوئے) میں (انس) نے

(زید سے) پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقت تھا؟ کہا (اتنا جس میں انسان) پچاس آیات (تلاوت کرسکے اس) کے برابر— (بخاری، کتاب الصوم)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل آخری وقت میں سحری تناول فرماتے تھے اور ان کے صحابہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جیسا کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا:

میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کھاتا تھا پھر میں اس لئے جلدی کرتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (باجماعت) نماز ادا کرسکوں— (بخاری، کتاب الصوم)

سحری میں تاخیر (دیر کرنا) مستحب ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ وقت سحر ختم ہوجانے کے بعد بھی کھاتا پیتا رہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک فجر کی اذان نہ ہوجائے سحری کا وقت باقی رہتا ہے، یہ جہالت ہے، فجر کی اذان سحری کا وقت ختم ہونے اور نماز فجر کا وقت شروع ہوجانے کے بعد ہوتی ہے، اگر وقت سے پہلے اذان کہہ دی تو وہ اذان نماز فجر کے لئے کافی نہیں ہوگی۔ اب جو لوگ اذان تک یا اس کے بعد بھی کھاتے پیتے رہتے ہیں، وہ اپنے روزوں کی خیر منائیں، وہ روزے ادا ہی نہ ہوئے، ان کی قضا لازم ہے۔ اس لئے کسی معتبر اسلامی تقویم (ٹائم ٹیبل) کے مطابق احتیاطاً دس منٹ پہلے سحری اور تین منٹ بعد افطاری کی جائے۔

(۸) کثرت کے ساتھ صدقہ، خیرات اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، یوں تو کوشش ہو کہ یہ عمل ہمیشہ جاری رہے، لیکن روزہ کی حالت میں مزید اضافہ کردینا چاہئے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کے دور کے لیے آتے تو آپ ﷺ مجسم جود وسخا ہوجاتے تھے، حالاں کہ سخاوت آپ ﷺ کی دائمی عادت کریمہ تھی۔

(۹) پنج وقتی نماز، نوافل، ذکر، تلاوت اور دیگر نیک اعمال میں مصروف رہنا، بعض لوگ روزے تو رکھتے ہیں مگر نماز سے غافل ہوتے ہیں، جب کہ نماز کا درجہ روزے سے بڑا ہے۔

(۱۰) رمضان المبارک کا پورا مہینہ نماز تراویح کا اہتمام کرنا، جماعت سے ممکن ہو تو بہتر، ورنہ تنہا پڑھے۔ اکثر لوگ کسی حافظ کے پیچھے چند دنوں میں ختم تراویح پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ بری الذمہ ہوگئے، غلط ہے، تراویح کی سنت ختم تراویح کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

(۱۱) روزے کی حالت میں طہارت اور پاکی کا خاص خیال رکھنا، روزے کی حالت میں ناپاک ہوجانے سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا ہے، لیکن ادب کے خلاف ہے۔ اس لئے فوراً پاکی حاصل کرلے۔

(۱۲) روزے کے آداب میں سب سے اہم ادب یہ ہے کہ روزے دار ہر طرح کے گناہ اور حرام کاریوں سے خود کو

بچائے، جن سے اجتناب روزہ دار کے لیے واجب ہے۔ مثلاً: جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، دغا وخیانت، حرام نظر اور حرام چیزوں کے ساتھ دل بہلانے سے اجتناب کیا جائے اور ان تمام محرمات کو بھی ترک کر دیا جائے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، اگر کوئی روزہ کی نیت سے کھانے پینے، خواہش نفسانی سے باز رہا لیکن فواحش ومنکرات سے باز نہ آیا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر روزہ کے برکات وثمرات سے محرومی ہوگی۔ بھوک، پیاس اور ترک خواہشات کے علاوہ اپنے تمام اعضا وجوارح کو گناہوں سے بچانا ہی درحقیقت روزہ کی حفاظت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص (روزے کی حالت میں بھی) جھوٹی باتیں اور برے اعمال نہ چھوڑے، تو اللہ سبحانہ وتعالی کو اس کے بھوکا پیاسا رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (بخاری، کتاب الصوم، ج:۱،ص:۴۵۵)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھانے پینے سے رکنے کا نام روزہ نہیں ہے حقیقی روزہ تو لغو اور فحش گوئی سے رکنا ہے۔ (سنن کبری، کتاب الصوم، ج:۴،ص:۴۴۹)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ (نسائی، ج:۱،ص:۱۶۷)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزہ چھ امور پر عمل کرنے سے مکمل ہوتا ہے:

(۱) نظریں نیچی رہیں، بری اور مکروہ چیزوں کی طرف التفات نہ ہو اور ہر اس چیز کو دیکھنے سے گریز کیا جائے جو یادِ الٰہی سے غافل کرتی ہے۔

(۲) زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلی اور بدکلامی سے محفوظ رکھا جائے۔

(۳) کان کو ہر ناجائز آواز سننے سے بچائے، اگر کسی مجلس میں غیبت ہوتی ہو تو انہیں منع کرے ورنہ وہاں سے اُٹھ جائے۔

(۴) ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا کو ہر قسم کے گناہ سے باز رکھا جائے، اکل حلال کی پابندی کی جائے اور حرام کے شبہ سے بھی بچا جائے۔

(۵) افطار کے وقت حلال رزق بھی اتنا نہ کھائے کہ پیٹ تن جائے۔

(۶) افطار کے بعد دل خوف اور امید کے درمیان رہے کیا معلوم کہ اس کا روزہ قبول ہوا یا نہیں لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (احیاء العلوم، ج:۳،ص:۴۳۴، ۴۳۸)

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

قصہ یوسف علیہ السلام ایک بہترین سرگذشت

● مولانا نورالحق رحمانی ـــ استاذ المعہد العالی پھلواری شریف

شان نزول :

روایات میں آتا ہے کہ مکہ کے مشرکین نے یہودیوں کے اشارے پر امتحان کی غرض سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ خاندان بنی اسرائیل شام سے مصر کیوں منتقل ہوا؟ اور یوسف علیہ السلام کی سرگذشت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صداقت اور ان کی شہادت کے طور پر اس سورت کو نازل فرمایا، بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی جس پر اس سورت کا نزول ہوا ممکن ہے یہ دونوں ہی واقعے اس سورت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مماثلت :

یہ واقعہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بڑی مماثلت و یکسانیت ہے، دونوں ابو الانبیاء و امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، ایک کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور دوسرے کا بنی اسماعیل سے۔ پھر ظاہری حسن و جمال اور باطنی اوصاف وکمالات، حسن و اخلاق، عفو و درگذر، حلم و بردباری، عفت و پاک دامنی، ضبط نفس، مصائب و آلام پر صبر، رضاء بالقضاء، توحید اور دین حق کی اشاعت کی ہمہ وقت فکر، خدا کی ذات پر توکل و اعتماد، پرخطر حالات میں ہمت و شجاعت کا مظاہرہ۔ یہ وہ صفات ہیں جو دونوں کی سیرتوں میں نمایاں ہیں۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا آپؐ کے ساتھ سلوک بھی کچھ اسی انداز کا تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں کا تھا جس طرح برادران یوسفؑ نے حضرت یوسفؑ کے قتل کا مشورہ کیا تھا اسی طرح سرداران قریش نے بھی دارالندوہ میں جمع ہو کر آپؐ کے قتل کی تجویز منظور کی تھی، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت فرمائی اور دشمنوں کی سازش کو ناکام بنادیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جس طرح

مصر کے قید خانے میں بغیر کسی جرم کے مقید رہے اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں ناحق محصور رکھا گیا، جس طرح حضرت یوسفؑ کا پیدائشی وطن چھوٹا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے وطن مکہ معظمہ کو خیر باد کہنا پڑا۔ جس طرح گھر سے نکلنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی پہلی منزل تاریک کنواں ٹھہری اسی طرح آنحضور ﷺ کی پہلی قیام گاہ آبادی سے نکلنے کے بعد تنگ وتاریک غار ثور قرار پائی۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنی اسی پہلی منزل سے نکل کر گہوارۂ علم وادب اور تہذیب وتمدن ''مصر'' پہنچے اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی پہلی قیام گاہ سے نکل کر وقت کے ایک متمدن اور پررونق شہر ''شہر مدینہ'' پہنچے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو وطن سے باہر عروج واقبال اور حکومت و اقتدار حاصل ہوا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جلاوطنی میں عزت وسربلندی، تاج وتخت اور حکومت واقتدار حاصل ہوا، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام تبلیغ دین کی خاطر ہمہ وقت فکرمند نظر آئے ہیں حتی کہ مصری قید خانے کے اندر بھی قید و بند کی تمام سختیوں کے باوجود اس فریضے سے غافل نہیں ہوئے اور قید کے ساتھیوں کو دل نشیں پیرائے میں توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾—(یوسف)

ترجمہ : اے میرے قید کے ساتھیو! اچھا یہ بتاؤ کہ چند خداؤں کی پرستش بہتر ہے یا صرف ایک خدا کا بندہ بننا بہتر ہے جو واقعتاً ایک ہی ہے اور ناحق شرک کرنے والوں کو قہر وعذاب سے دوچار کرنے والا ہے۔

اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ کی پرآشوب اور تاریک فضا میں جس کی حیثیت آپؐ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے تقریباً قید خانے ہی کی ہے تبلیغ دین کی خاطر ہمہ وقت متفکر نظر آتے ہیں، کبھی مکہ کی گلیوں میں، کبھی طائف کی وادیوں میں حیران وسرگرداں اور پتھر کھاتے لہولہان نظر آتے ہیں۔ قرآن آپؐ کی اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾—(الکھف)

ترجمہ : اگر یہ کافر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپؐ ان کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کرلیں گے۔

جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے ظالم بھائی مصر کے پایہ تخت میں اپنی آخری حضوری کے وقت اپنے ظلم کا اعتراف اور رحم وکرم کی فریاد کررہے تھے اسی طرح مشرکین مکہ بھی فتح مکہ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرنگوں تھے اور رحم وکرم کی التجا کررہے تھے، عفو ودرگذر کی بھیک مانگ رہے تھے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کرتے ہوئے ''لاتثریب علیکم الیوم'' فرمایا تھا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرکین مکہ کے مظالم سے صرف نظر کرتے ہوئے اور ان کی خطاؤں کو معاف کرتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ آج میں تم سے وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا ''لاتثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء''

آج تم پر کوئی مواخذہ اور داروگیر نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور ان کا پورا خاندان کنعان سے مصر منتقل ہوا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور باایمان ساتھی بھی ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ منتقل ہوئے، یہ مماثلت کے چند پہلو ہیں جو دونوں کی سیرتوں اور حالات پر غور کرنے سے سمجھ میں آتے ہیں اگر مزید غور کیا جائے تو اتحاد و یکسانیت کے اور بھی بہت سے پہلو واضح ہو سکتے ہیں۔

سورۂ یوسف کے احسن القصص ہونے کی وجہ :

قرآن کریم نے سورۂ یوسف کو احسن القصص یعنی بہترین سرگذشت کہا ہے۔ اس واقعے کے تمام پہلوؤں پر اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو اس کے بہت سے وجوہات سمجھ میں آتے ہیں۔

پہلی وجہ : ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو پوری انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے اور ابھی اوپر ذکر کیا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بڑی مماثلت ومشابہت، یگانگت و یکسانیت اور اشتراک و اتحاد ہے، اس لئے لازمی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ بھی انسانوں کے لئے بہترین اسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے جس کی تقلید کر کے وہ اپنی دنیا و آخرت دونوں سنوار سکتے ہیں، اس لحاظ سے یہ واقعہ ایک بہترین سرگذشت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تقلید و اتباع اور ان کے نقش قدم کی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔

دوسری وجہ : اس سورت کے نزول کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان انتہائی دشوار اور صبر آزما حالات سے دوچار تھے، حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے مشرکین کو کھل کر مسلمانوں کو ستانے کا موقع مل گیا تھا، وہ طرح طرح سے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے اور ناقابل برداشت اذیتیں پہونچا رہے تھے، سورۂ یوسف کے اندر آپؐ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے اطمینان قلب اور تسکین خاطر کا بڑا سامان موجود تھا، اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی ان کے سامنے پیش کی جو شروع سے آخر تک ابتلاء و آزمائش اور شدائد ومحن کی داستان ہے۔ نوعمری ہی میں ماں نے داغ مفارقت دی، باپ کی آغوش تربیت چھوٹی، خاندان ووطن چھوٹا، بے وفائی کی گئی، تاریک کنویں میں ڈال دیئے گئے اور آزادی کی جگہ غلامی ملی، حقیر سامان کی طرح بکے اور یکے بعد دیگرے مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہے، بالآخر عزیز مصر کے دربار میں قدم رکھا اور کچھ ہی دنوں میں اپنی پاک طبیعت، حسن خلق، بلند کردار، سلیقہ شعاری اور امانت داری سے بلند مقام حاصل کر لیا اور عزیز مصر کا دل جیت لیا، آپ غلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک معزز فرد کی حیثیت سے رہنے لگے اور عزیز مصر نے گھریلو امور کی تمام ذمہ داریاں آپ کے سپرد کر دیں۔ ابھی پوری طرح قدم جمانے کا اور اطمینان کا سانس لینے کا موقع نہ ملا تھا کہ آزمائش کا دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے جو پہلے سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہے۔ عزیز مصر کی بیوی

اس مجسم حسن و جمال پر فریفتہ اور عاشق ہو جاتی ہے اور دام فریب میں لانا چاہتی ہے اور جب آپ اس کی خواہش کو ٹھکرا دیتے ہیں تو وہ ترغیب کے بعد ترہیب وتخویف کا سہارا لیتی ہے اور مصر کی معزز عورتوں کے ساتھ مل کر قید کی سزا کی دھمکی سناتی ہے۔ بالآخر آپ جیل میں ڈال دئے جاتے ہیں اور مسلسل دس سال تک سختیاں جھیلتے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، پھر اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے، تاریکیوں کے بادل چھٹتے ہیں، غلط الزامات کا پردہ چاک ہوتا ہے، قید سے رہائی ہوتی ہے اور آپ تمام ابتلاء وآزمائش سے کامیابی کے ساتھ بے داغ ہو کر نکلتے ہیں۔

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ظاہری حسن کے ساتھ باطنی حسن سے بھی نوازا تھا لیکن آپ کا اصلی حسن وہ ہے جو زندگی کی دشوار گزار منزلوں اور پر پیچ راہوں میں تابناک سورج کے مانند جھلکتا ہے، یوسف علیہ السلام کی زندگی کے ان پرمحن اور مشقت سے پر واقعات میں مسلمانوں کے لئے مکہ کے تاریک ماحول میں بڑی تسلی اور دل بستگی کا سامان تھا اور واقعتاً یہ ان کے واسطے ایک بہترین سرگذشت تھی جنہیں پڑھ کر وہ اپنے دل کو تسلی دے سکتے تھے اور مصائب وشدائد پر صبر کر سکتے تھے، اس بنا پر اسے ان کے لئے بہترین سرگذشت کہا گیا۔

تیسری وجہ : بہترین سرگذشت ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، مسلمانوں کو اور ان کے دشمنوں اور حریفوں کو بیک وقت ایک آئینہ دکھایا، جس میں وہ غور کر کے اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والی جنگ اور کش مکش کا انجام صاف طور پر دیکھ سکتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی اس کا کھلا ثبوت ہے کہ آخری فتح و کامیابی اہل حق کی ہوتی ہے۔ اس طرح گویا مسلمانوں کے لئے خاص طور پر ایک کھلا ہوا یہ آئینہ تھا جس میں ان کی زندگی کے نشیب وفراز اور کامیابی کی آخری منزل صاف نظر آرہی تھی، راستے میں اگرچہ کچھ صعوبتیں اور مشقتیں بھی تھیں مگر اسی کے ساتھ آخری کامیابی، عزت وسربلندی اور شاندار مستقبل کی خوشخبری بھی سنائی گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسا واقعہ جو بجائے خود صداقت وسچائی پر مبنی ہو اور جسے سنایا جارہا ہو اس میں اس کے حال و مستقبل کی جھلک اور فتح و کامرانی کا مژدہ ہو، جو دلچسپ ہونے کے ساتھ مخاطب کے لئے تسلی اور دل بستگی کا سامان بھی رکھتا ہو اس سے زیادہ دلچسپ، تسلی بخش، عبرت آموز اور بابرکت واقعہ اور کون ہو سکتا ہے۔

چوتھی وجہ : ایسے واقعات جن میں حسن و جمال اور عشق ومحبت کی داستان ہو بالعموم لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز ہوتے ہیں، لیکن ایسے واقعات اخلاق کو بگاڑنے والے، جذبات میں ہیجان برپا کرنے والے اور سطحی لذت کوشی کی دعوت دینے والے ہوتے ہیں، سورۂ یوسف کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مہذب پیرائے میں حسن وعشق کا تذکرہ بھی ہے اور عفت و پاک دامنی اور ضبط نفس کی تعظیم بھی، اس میں دل نشیں پیرائے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دنیا کس طرح اللہ کے ایک صالح بندے کے پیچھے دوڑتی ہے اور اسے اپنی دلکشی و دلفریبی اور حسن ورعنائی کی طرف مائل کرتی ہے اور خواہش نفس اور جنسی لذت کی تسکین

کی دعوت دیتی ہے، اس کے لئے کھلا ہوا موقع ہے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائے اور چند لمحے کیف وسرور اور سرمستی میں گذار کر دنیا کی الجھنوں اور پریشانیوں کو بھول جائے، لیکن خدا کا وہ برگزیدہ بندہ باوجود یکہ حالات سازگار ہیں راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں، حسن خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے قدم پر نثار کرنے کے لئے تیار ہے، مگر وہ ان تمام لذتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے خدا کو یاد کرتا ہے اور اپنے عفت وعصمت کے دامن کو گناہ کی آلودگی سے پاک رکھتا ہے۔

پانچویں وجہ : قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات میں قصہ یوسف علیہ السلام اس انفرادی خصوصیت کا حامل ہے کہ شروع سے آخر تک یکجا ایک ہی سورت کے اندر نازل ہوا، اس کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات ہیں وہ جستہ جستہ متفرق مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں اور اگر کسی پیغمبر کا واقعہ مکمل طور پر کسی سورت میں ذکر کیا گیا ہے تو اجمال واختصار کے ساتھ جس کی تشریح وتفصیل کے لئے انسان دوسرے مقامات کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہے، پھر دوسری سورتوں میں متعدد پیغمبروں کے واقعات ایک ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، جبکہ اس سورت میں ابتداء سے انتہا تک صرف ایک واقعہ مذکور ہوا ہے اور وہ بھی اس خصوصیت کے ساتھ کہ واقعہ کے ہر پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس دور کی ایک اہم اسلامی شخصیت اور مصر کے مشہور اسلامی مصنف اور عالم دین سید قطب شہیدؒ سورۂ یوسف کی اس خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی مشہور تفسیر ظلال القرآن میں لکھتے ہیں:

"والسورة ذات طابع متفرد فی احتوائها علی قصة یوسف کاملة فالقصص القرآنی غیر قصة یوسف یرد حلقات تناسب کل حلقة منها او مجموعة حلقات موضوع السورة و اتجاهها وجوها و حتی القصص التی وردت کاملا فی سورة واحدة کقصص هود و صالح و لوط و شعیب ورد مختصرا مجملا ۔اما قصة یوسف فوردت بتمامها و طولها فی سورة واحدة وهو طابع متفرد فی السورة القرآن جمیعا" ۔(فی ظلال القرآن، جلد رابع، ص: ۱۷۷)

ترجمہ : یہ سورہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ یوسف علیہ السلام کے پورے واقعہ پر مشتمل ہے جب کہ اس کے علاوہ دوسرے قرآن کے قصے کے مختلف پہلو مختلف مقامات میں سورۃ کے موضوع، مرکزی اور زمانہ نزول کے حالات وضروریات کی مناسبت سے ذکر کئے گئے ہیں، یہاں تک کہ وہ واقعات جو مکمل طور پر کسی سورت میں ذکر کئے گئے ہیں جیسے حضرت ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے واقعات وہ مجمل اور مختصر طور پر ذکر کئے گئے ہیں، لیکن یوسف علیہ السلام کا مفصل واقعہ پورا کا پورا اسی ایک سورت میں ذکر کیا گیا ہے یہ اس سورت کی انفرادی خصوصیت ہے جو قرآن کے دوسرے واقعات اور دوسری سورتوں سے اسے ممتاز کرتی ہے۔

چھٹی وجہ : قصہ یوسف کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ جس طرح اس کا آغاز شاندار ہے اسی طرح اس کا انجام بھی شاندار ہے، اسے پڑھ کر انسان کی طبیعت کو نشاط وانبساط اور فرحت وسرور حاصل ہوتا ہے، پڑھنے والے کی طبیعت اضمحلال اور

پژمردگی کا شکار نہیں ہوتی، نہ حسرت وافسوس سے سابقہ پڑتا ہے، کیونکہ اس میں کسی عذاب خداوندی کا تذکرہ نہیں ہے اور وہ تمام افراد جو حضرت یوسف کے ساتھ ظلم وزیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں اور جن کا دامن معصیت سے آلودہ ہوا ہے بالآخران سب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے اور معصیت سے تائب ہوئے ہیں۔

گناہ کا صدور انسانی فطرت ہے اس لئے یہ کوئی زیادہ قابل ملامت چیز نہیں، گناہ کی شقاوت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ انسان اپنی غلطی پر قائم رہے اور اسے احساس ندامت نہ ہو، جرم پر ندامت وشرمندگی کا اظہار انسان کے گناہ کو مٹا دیتا ہے اور وہ ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له'' کا مصداق ہوجاتا ہے۔

اس قصہ کے اندر بعینہ یہی صورتحال ہے، وہ برادران یوسف جنہوں نے بغض وحسد اور رقابت کے جذبات سے مغلوب ہوکر حضرت یوسفؑ کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور انہیں کنویں میں ڈال کر اپنی دانست کے مطابق اپنے راستے سے ہٹا دیا تھا وہ مصر کی عدالت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ''یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا'' کہتے ہوئے خدا سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

دوسری طرف وہ خواتین مصر جن کا اس واقعہ سے تعلق تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نذر زنداں کئے جانے میں جن کا بڑا ہاتھ تھا وہ سب بھی معاملے کی آخری تحقیق کے وقت بادشاہ کے دربار میں یوسفؑ کی بے قصوری اور پاکدامنی کی شہادت دیتی ہیں ''حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ'' معاذ اللہ! ہمیں یوسفؑ کی طرف سے کسی بدنیتی اور بدکرداری کا تجربہ نہیں ہوا۔

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی بھی (جو اس معاملے کی اصل بنیاد تھی) حضرت یوسفؑ کی عفت مآبی و پاک دامنی پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے اور خود اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے پوری بے باکی اور ہمت وشجاعت کے ساتھ اعلان کرتی ہے ''اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱'' اب حقیقت کھل کر سامنے آگئی، میں نے ہی یوسف کو پھسلایا تھا اور وہ سچے اور بے قصور ہیں، اس طرح یہ تمام حضرات اپنے جرم کا اقرار اور حق کا اعتراف کرکے اپنے آپ کو صالحین کی جماعت میں شامل کرلیتے ہیں اور خدا کی پکڑ سے محفوظ رہتے ہیں، پس یہ واقعہ ایک اچھے انجام پر پہونچ کر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے پڑھنے والوں کو بھی تقلید واتباع کا شوق ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور جو دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں ان میں قومیں اکثر کسی سخت عذاب سے دوچار ہوئی ہیں، مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم شعیب اور قوم موسیٰ علیہم السلام وغیرہ کہ ان میں سے ہر قوم پر اللہ کا عذاب آیا کسی پر طوفان آیا کسی پر آندھی آئی کسی کو زلزلے نے آپکڑا کسی کو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا کسی کی بستی الٹ دی گئی کسی پر کنکر اور پتھر کی بارش ہوئی کسی کو غرق آب کیا گیا وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ ایسی عبرت ناک سزائیں ہیں جنہیں سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ان واقعات کو سن کر انسان خوش ہونے کے بجائے ڈر سے سہم جاتا ہے اور تباہ ہونے والی قوموں کے حالات پر افسوس کرنے

لگتا ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معذب قوموں کے تذکرے افراد واقوام کی اصلاح، انہیں ظلم ومعصیت سے باز رکھنے اور خدا پرستانہ اور دیندارانہ زندگی کا عادی بنانے کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، مگر فطری طور پر انسان کو ان سے کچھ توحش وتنافر بھی ہوتا ہے، اس کے برخلاف سورۂ یوسف کسی عذاب خداوندی کے تذکرے سے خالی ہے اور اس واقعے سے متعلق تمام شخصیتوں کا آخری مآل اور انجام اچھا نظر آتا ہے۔ ایک مبارک خواب کے ذکر سے سورت کا آغاز ہوتا ہے اور اسی خواب کی تعبیر اور عملی تفسیر سامنے آنے کے بعد واقعہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ واقعہ اپنے آغاز وانجام دونوں لحاظ سے بہتر ہے، لہذا یہ احسن القصص کہلانے کا مستحق ہے۔

ساتویں وجہ : اس واقعہ کے احسن القصص ہونے کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ہر پہلو میں پند ونصیحت اور عبرت وموعظت کے ایسے خزانے ہیں جو قرآن میں ذکر کئے گئے دوسرے واقعات میں یکجا طور پر نہیں، پھر اس میں ہر قسم کے انسانوں کے لئے پند ونصیحت ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، جوان ہو یا ادھیڑ، چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آقا، حاکم و فرماں روا ہو یا محکوم و رعایا، سب کے لئے اس میں درس عبرت کا سامان ہے، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اپنی مشہور تصنیف قصص القرآن کی جلد اول میں اس کی علت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن عزیز نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو احسن القصص کہا ہے، اس لئے کہ اس ایک واقعہ میں جس قدر عبرتیں، حکمتیں اور مواعظ ونصائح ودیعت ہیں دوسرے کسی واقعہ میں یکجا میسر نہیں ہیں، درحقیقت یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجب دلکش اور زمانہ کے عروج وزوال کی زندہ یادگار ہے۔ یہ ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے اور بگڑنے، گرنے اور ابھرنے کی ایسی بولتی ہوئی تصویر ہے جو کسی تشریح وتوضیح کی محتاج نہیں رہتی، یہ بدوی اور خانہ بدوش قبیلہ کے ایک ایسے فرد یگانہ اور انمول موتی کی حیرت ناز تاریخ ہے جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے اعجاز نے اس زمانہ کی بڑی سے بڑی متمدن قوم کی رہنمائی اور ان پر حاکمانہ اقتدار کے لئے چن لیا تھا اور شرف نبوت سے نوازا تھا''

اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس جبکہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بے نظیر عبرتیں اور بصیرتیں پنہاں تھیں مثلاً رشد وہدایت کی اہمیت، ابتلاء اور آزمائشوں پر صبر واستقامت، رضا وتسلیم کے مظاہرے، افراد واقوام کے خروج واقبال کے وقائع، خدائے تعالیٰ کے عدل ورحم کی کرشمہ سازیاں، انسانی اور بشری لغزشیں اور ان کے انجام ومآل، عصمت اور ضبط نفس کی عجوبہ کاریاں تو بلاشبہ وہ احسن القصص ہے اور کتاب ماضی کا وہ حسین ورق جو اپنی شان زیبائی میں یکتا اور فرد کہلانے کا مستحق ہے''۔۔۔ (قصص القرآن، جلد اول، ص: ۲۸۲)

آٹھویں وجہ : قرآن کریم اپنے پیروؤں کو جن پاکیزہ صفات، انسانی اقدار واخلاق اور تہذیب وشائستگی کا پابند بنانا

چاہتا ہے، یہ واقعہ اس کا اکمل ترین نمونہ ہے، چنانچہ جو مقامات انتہائی نازک ہیں، عشقیہ مضامین کے تذکرے اور حیوانی خواہشات اور سفلی جذبات کی برانگیختگی کے ہیں، جن میں انسان دیوانہ ہوکر تمام انسانی اور اخلاقی حدود سے باہر ہو جاتا ہے، ایسے نازک مقامات کی تصویر کشی بھی انتہائی مہذب انداز میں کی گئی ہے، جس سے پڑھنے والے کا ذہن کسی برائی کی طرف منتقل نہیں ہوتا، بلکہ ایسے موقعوں پر جذبات کو قابو میں رکھنے اور عزت وناموس کی حفاظت کا سبق ملتا ہے۔

پورے واقعے میں کہیں بھی عزیز مصر کی بیوی کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے، حالانکہ اس واقعہ میں سب سے گھناؤنا کردار اسی کا ہے اور زیادہ تر بیان اسی سے متعلق ہے مگر پھر بھی اس کا نام نہیں لیا گیا تاکہ غیبت کی بری نظیر قائم نہ ہو جس سے خود قرآن نے صراحتاً منع کیا ہے اور اسے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے، یہ ایک اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے جو قرآن انسانوں کو سکھانا چاہتا ہے اور اس پر اگر عمل کیا جائے تو انسانی معاشرہ جنت نشاں اور انس ومحبت، اخوت ومروت اور امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے، قرآن کے سوا کوئی مدعی تہذیب کتاب ایسی نہیں ہوسکتی جو اس کی نظیر پیش کر سکے۔

پھر یہ قرآن کریم کا غایت اعجاز اور اس کی عجیب وغریب قادر الکلامی ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا نام نہ لینے سے قاری کی دلچسپی میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ کوئی تشنگی اور خلا محسوس ہوتا ہے، گویا اس کا پڑھنے یا سننے والا اس کا نام سننے سے بالکل مستغنی و بے نیاز ہے یہ گویا اس بات کی تعلیم بھی ہے کہ ذلت ورسوائی کے موقع پر کسی کا نام لینے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے اور عشق و محبت کا تذکرہ بھی تہذیب وشائستگی اور متانت وسنجیدگی کے دائرے میں ہو۔

نویں وجہ : قصہ یوسف کے احسن القصص ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں کھل کر اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر انسانی عمل اپنی تاثیر رکھتا ہے اور اس کے بھلے برے نتائج ظاہر ہو کر رہتے ہیں، انسان میدان حیات میں جیسے عمل کا بیج ڈالتا ہے اس کے ویسے ہی پھل نمودار ہوتے ہیں، جو لوگ اپنا کاروبار جور وظلم، کذب وافترا، حسد ورقابت اور مکر وفریب کے بل پر چلانا چاہتے ہیں بالآخر وہ ناکام ہوتے ہیں اور انہیں ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ اپنے اوپر ظاہری تقدس کا خواہ کیسا ہی لبادہ ڈال لیں مگر آنے والا کل ان کے رخ سے مصنوعی نقاب الٹ دیتا ہے اور ان کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، یہ ایک سنت الٰہی اور قانون قدرت ہے" سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ "—(احزاب) یوسف علیہ السلام کے ظالم بھائیوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا اور انہیں ذلت کے غار میں دھکیلنا چاہا مگر قدرت نے ان کی سازش کو ناکام کر دیا اور ان کی خواہش کی علی الرغم حضرت یوسفؑ کو عزت وسربلندی کے اعلیٰ مقام پر پہونچایا جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

اس طرح انہوں نے اپنے ظلم پر پردہ ڈالنے کے لئے والد کے سامنے جھوٹ کا سہارا لیا اور کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا مگر خدا نے ان کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر دیا، انہوں نے اپنے آپ کو والد کے سامنے یوسفؑ کا خیر خواہ ظاہر کیا تھا،

لیکن یہ حقیقت ظاہر ہو کر رہی کہ وہی ان کے جانی دشمن اور ان کے قتل کے درپے تھے۔ بالآخر انہوں نے اپنے جرم کا اقرار خود سے کیا اور اسی بھائی کے سامنے جھکنا پڑا جن کی عداوت سے ان کا سینہ لبریز تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنے اوپر ان کی برتری تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی بھی ایک ناپاک جذبے اور خیال کی اپنے دل میں پرورش کر رہی تھی اور اپنی مطلب براری اور ناجائز خواہش کی تکمیل کے لئے اس نے لاکھ جتن کئے، حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف عشق وہوس کے جال پھینکے اور جذبات سے اندھی ہو کر بے محابا حضرت یوسفؑ کو شاد کام کرنے کی دعوت دی مگر جب حضرت یوسفؑ نے اس کے مذموم مقاصد اور ناپاک عزائم کی تکمیل نہ کی تو ان پر بدنیتی کا الزام لگا کر قید کرا دیا، مگر اس کی یہ چال پوشیدہ نہ رہ سکی پہلے خود اس کے خاندان کے ایک فرد نے کرتے کے سلسلہ میں دانش مندانہ فیصلہ صادر کر کے حضرت یوسفؑ کو بے عیب اور اسے مجرم ثابت کیا۔ اس کے شوہر نے بھی اس کے فریب کو بھانپ لیا اور ''وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ﴿۲۹﴾'' کہہ کر اسے قصوروار ٹھہرایا اور اس حرکت سے باز آنے کی تنبیہ کی، پھر جب بادشاہ نے ایک خطرناک خواب دیکھا اور ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوا اور ضرورت پڑی کہ ملک کو اس خطرے سے بچانے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمات حاصل کی جائے۔ تو بالآخر بادشاہ انکشاف حال وتحقیق حال پر مجبور ہوا اور قدرت نے خود اس عورت کی زبانی حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاک دامنی کی شہادت دلا کر انہیں باعزت طریقے پر قید سے رہا کرایا، آخر دنیا نے جان لیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

اس طرح اس سورت نے حقیقت آشکارا کر دی کہ انسان کے جرائم اور برے اخلاق واعمال کے نتائج ہمیشہ برے ہی ہوتے ہیں اور اس کے برخلاف اچھے اعمال واخلاق مثلاً صداقت وراستی، صبر وضبط، تقوی وخدا ترسی، عفت و پاک دامنی، عدل وانصاف، رحم وکرم، عفو ودرگذر یہ وہ کریمانہ اوصاف ہیں جو انسان کی قدر ومنزلت کو بڑھاتے ہیں ان پاکیزہ صفات کے حامل لوگ خدا کی نظر میں بھی باعزت قرار پاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان بھی ہر دل عزیز ہوتے ہیں، ان کے اعمال کبھی رائیگاں نہیں جاتے، چنانچہ انہیں اوصاف واعمال نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ترقی کے بام عروج تک پہونچایا۔

دسویں وجہ : اس واقعہ کے احسن القصص ہونے کی دسویں وجہ یہ ہے کہ اس میں ایمان ومادیت کی جنگ اور روحانی صداقت اور مادی ترقیات کے کشمکش میں ایمان اور روحانیت کی فوقیت اور برتری ثابت ہوتی ہے۔ اور قدرت الٰہی کی کرشمہ سازیوں اور عجوبہ کاریوں کے وہ مظاہر سامنے آتے ہیں جن پر عقل حیران رہ جاتی ہے تاریخ انسانی کے ہر دور میں حق اور باطل کے درمیان مقابلہ رہا ہے اور مادیت نے ہمیشہ روحانیت سے پنجہ آزمائی کی ہے اور بعض اوقات مادیت نے اپنی ظاہری شان وشوکت، دل کشی ورعنائی اور چمک دمک سے نگاہوں کو خیرہ کیا ہے مگر آخری فتح وغلبہ ہمیشہ روحانی قوتوں اور ایمانی طاقتوں کو حاصل ہوا ہے، چنانچہ یہ سورت اس کی زندہ مثال ہے، مصر سب سے بڑا متمدن ملک مادی ترقیات کا مرکز اور علم وفن کا

گہوارہ ہے، اس کے باشندے تہذیب وتمدن اور مادی تفوق کے غرور میں مست ہیں۔ وہ اپنے اطراف واکناف رہنے والوں کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، خصوصاً کنعانی اور عبرانی تو ان کی نظر میں اتنے حقیر ہیں کہ ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا تو درکنار انہیں اپنی مجلس میں بیٹھانا اور ان سے گفتگو کرنا گوارہ نہیں، مگر قدرت الٰہی کی یہ کرشمہ سازی اور عجوبہ کاری دیکھئے کہ اس بدوی خاندان اور خانہ بدوش قبیلے کا ایک کمسن لڑکا وقت کی عظیم الشان مملکت اور تہذیب وتمدن کے گہوارے میں ایک غلام کی حیثیت سے قدم رکھتا ہے اور اس کی قیادت وحکمرانی کی باگ اس کے ہاتھ میں آتی ہے اور مولانا آزادؒ کے الفاظ میں ''بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنی رعایا تک سب اس کی عظمت وفضیلت کے آگے جھک جاتے ہیں، گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہونچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا جسے متمدن آبادی کافر دنفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے''

یہ سب کچھ کیوں کر ہوا؟ اور مادی ترقیات کے مقابلے میں روحانی صداقت کو برتری کیسے حاصل ہوتی ہے یہ بھی مولانا آزادؒ کی زبانی سنئے، وہ اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' جلد دوم سورۂ یوسف کے آخری وٹ میں لکھتے ہیں:

> ''سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں سامنے آتی ہے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا، وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی، حتی کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا، اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے، مویشی چراتے تھے اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے، لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی، وہ دین حق کے علم وعمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا لیکن وقت کے تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا، اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے۔ اس کے امراء واشراف حکمرانی ودانشوری میں ترقی یافتہ تھے، اس کے حکیم علوم وصنائع کے عجائب وغرائب سکھانے والے تھے۔ آج اثریات مصر نے ایک مدون علم کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثار مصر میں ''آبوفی'' کے نام سے پکارا گیا ہے، اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا''

لیکن عجیب وغریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد مصر پہونچا دیا اور ایسی حالتوں میں پہونچایا جو کسی حال میں بھی عزت وکامرانی کا ذریعہ نہیں ہوسکتا تھا، تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا اور بالآخر دین حق کے علم وعمل اور وحی الٰہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کرلیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ نہ تھا، مصریوں کے پاس دین حق کے سوا سب کچھ تھا، یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے، وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے، بایں ہمہ ہر مقابلہ میں فتح مندی

حضرت یوسفؑ ہی کی سیرت وعمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرے میں پڑی تو اس کی نجات کے لئے مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی، اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اس کی سلامتی کی راہ نکال دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: ''اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۝۵۵'' تو فی الحقیقت یہ دین حق اور فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکز تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا، یعنی آج مملکت کی نجات کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم وکاروائی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو، لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مذہبیت عاجز ہوگئی، اس کا عظیم الشان دار الحکومت جو کارفرماؤں، دانش مندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے، ایک فرد بھی پیش نہ کرسکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھالوں، میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچالوں گا، کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں۔

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اس کے آگے سر نیاز خم کردیا یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ ''وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ'' الخ ــــ (ترجمان القرآن جلد دوم،ص:۲۵۲)

****

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلا 2730/08(Upto Dec. 2021) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2021 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۰ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۱ء کا زرتعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں ــــ تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : **1271488319**, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**

IFSC Code : **CBIN-0282779**

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Tel : (0612) 2250238

ــــ سرکولیشن منیجر

گیارہویں قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی ـــــ کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

ناچیز نے ۱۸؍ذی الحجہ (۱۰؍ستمبر) کو مولانا حبیب الرحمن قاسمی کے ہم راہ طواف کیا تھا، موصوف کو ۱۳؍ستمبر کو ۱۲؍بجکر ۵۰؍منٹ کی فلائٹ سے جدہ سے گیا روانہ ہونا تھا اور ناچیز کی روانگی ۱۷؍ستمبر کی رات میں تھی، اس طرح مولانا حبیب الرحمن کی تین دنوں کی رفاقت کو اپنے لیے بہت غنیمت سمجھا۔

مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کا یہ دوسرا حج تھا، اس لیے موصوف مکہ مکرمہ کے بازاروں اور کتب خانوں سے اچھی طرح واقف تھے، چناں چہ ناچیز نے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ کے چند کتب خانوں میں جا کر اپنی پسند کی چند کتابیں خریدی، مصلیٰ، برقعے، عبا، ٹوپیاں اور تسبیحیں خریدیں، خاص خاص عزیزوں کے لیے مدینہ اور مکہ سے آٹھ گھڑیاں پہلے ہی خریدلی تھیں، کھجوریں تو مدینہ منورہ ہی سے لے لی تھیں۔

ہاں ۴؍اگست ۲۰۱۷ء کو جب ہم لوگ گیا سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہونے والے تھے تو روانگی سے پہلے ہم لوگوں کو ۲۱۰۰؍سعودی ریال اخراجات کے لیے ملے تھے، کھانے پینے اور کچھ ضروری سامان خریدنے کے لیے یہ ریال کافی تھے، لیکن دیگر فضول سامان خریدنے کے لیے اتنے ریال کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ تاجر ذہن کے حجاج ہندوستانی روپئے اپنے ساتھ لائے تھے، جن کو انہوں نے مکہ مکرمہ کے بینک میں جمع کر کے سعودی ریال لے لیے اور انہوں نے اپنی پسند کا جو سامان چاہا خریدا، جسے وہ کسی نہ کسی تدبیر سے ہندوستان لاسکتے تھے اور لائے۔

کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے بازاروں میں خوب صورت، عمدہ اور بہترین سامان کی دکانیں یورپ کی کسی خوش نما شہر کی دکانوں سے کم آراستہ اور جاذب نظر نہیں ہوتیں، جہاں ضرورت اور فائدے کی ہر چیز بہ آسانی مل جاتی ہے،

فجر کی نماز کے بعد عشا کی نماز کے بعد رات گئے تک مکہ مکرمہ کے بازاروں میں چہل پہل رہتی ہے، عورتیں بھی مارکیٹ کرنے میں مردوں سے پیچھے نہیں رہتیں، ہم لوگ ۲۰۱۷ء میں حج کے لیے گئے تھے، اس وقت اذان اور نماز کے احترام میں تقریباً ۳۰ رمنٹ پہلے سب دکانیں بند ہو جاتی تھیں، لیکن اب تو ۲۴ رگھنٹہ دکانیں کھلی رہتی ہیں۔

ایک وہ زمانہ تھا جب اہل حجاز بالخصوص مکہ مکرمہ والے ضروریات زندگی کے سامان خریدنے کے لیے یمن، شام اور مصر کا سفر کرتے تھے، جہاں کا سفر بڑا دشوار گزار اور جاں سوز ہوتا تھا، جس کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی مل جاتا ہے:

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ —(سورۃ النحل:۷)

ترجمہ : اور یہ جانور (یعنی اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ) تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں، جہاں تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت بالا میں ''بلد'' سے مراد یمن، شام اور مصر ہیں، جہاں کی منڈیوں میں اہل مکہ قافلہ در قافلہ ضروریات زندگی کے سامان خریدنے کے لیے جنگلوں، پہاڑوں اور پُر پیچ وادیوں سے گزر کر سامان تجارت خرید کر بہ دقت تمام مکہ واپس آتے تھے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں اور ان کے علاوہ حضرت ربیع بن انسؓ اور حضرت عکرمہؓ کی روایت میں ''بلد'' سے ''مکہ مکرمہ'' مراد ہے، ایسی صورت میں آیت بالا کا مفہوم یہ ہوگا کہ یمن، شام اور مصر کی دور دراز منڈیوں تک تنہا پہنچنا کچھ کم دشوار اور تکلیف دہ نہیں تھا، لیکن سامان تجارت کے بھاری بوجھ کو سواریوں پر لاد کر سواریوں کے ہم راہ مکہ مکرمہ آنا بڑا ہی صبر آزما اور مشکل ترین مرحلہ ہوتا تھا، اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سواری اور باربرداری کے لیے اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر جیسے سواری کے جانوروں کو پیدا نہیں کیا ہوتا تو یمن اور شام وغیرہ کی منڈیوں سے مکہ مکرمہ تک سامان تجارت کا لانا ناممکن نہیں تو محنت طلب اور دشوار گزار مرحلہ ضرور تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے سواری اور نقل وحمل کے لیے جانوروں کو پیدا کر کے بالخصوص اہل مکہ کی دشواریوں کو آسان کر دیا۔۔۔(۱۵۲)

ایک وہ زمانہ تھا کہ یمن، شام اور مصر جیسے ممالک سے سامان تجارت کو مکہ مکرمہ تک لانا بڑی پریشانیوں اور جان کو جوکھوں میں ڈالنا تھا اور ایک آج کا زمانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل وحکمت سے انسان نے بحری جہاز، ہوائی جہاز اور دوسری تیز رفتار سواریاں ایجاد کر لی ہیں، جن کے ذریعے سے یمن، شام اور مصر کیا دنیا کے کسی بھی خطے سے مکہ مکرمہ کے بازاروں میں کھانے پینے کی چیزوں سے لے کر دوسرے سامان راحت چند لمحوں میں مکہ مکرمہ کے بازاروں میں پہنچ جاتے ہیں، ایسی صورت میں بھی حجاز کے حکمران اللہ تعالیٰ کے اس بے انتہا احسانات و انعامات کا شکر ادا نہ کریں اور اپنے مغربی آقاؤں کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے نماز کے اوقات میں بھی اذان اور نماز کے احترام میں مکہ مکرمہ کی دکانیں کم سے کم ۳۰ رمنٹ کے لیے بھی بند نہ کریں تو یہ بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔

مکہ مکرمہ کے بازاروں کی چہل پہل کی بات آئی تو کچھ دور تک چلی گئی، کہنا یہ تھا کہ مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کی روانگی سے پہلے ناچیز نے ان سے عرض کیا کہ آپ ایک بار اور طواف کرادیں، موصوف تیار ہو گئے، لیکن اس آخری طواف کے بیان سے پہلے شاید یہ بات بے محل نہ ہو کہ مسجد حرام کا جغرافیہ اور مختلف ادوار میں اس میں کی گئی تعمیری توسیعات کا مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے، جن کو پہلے بیان نہیں کیا گیا۔

مسجد حرام :

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ لکھتے ہیں:

''یہ نہایت عالی شان عمارت ہے، جس کے بالکل وسط میں خانۂ کعبہ ہے، خانۂ کعبہ اور اس عمارت کے درمیان تمام اطراف میں کھلے میدان ہیں، جن میں نمازی کعبہ کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں، خانۂ کعبہ کی شمالی دیوار سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر ایک ہلالی شکل کی دیوار ہے، اس کے اندر کا حصہ حطیم کہلاتا ہے، حطیم اور خانۂ کعبہ کے درمیان دو گز کی زمین حجرۂ اسماعیل کہلاتی ہے، یہ اصلاً خانۂ کعبہ ہی کا حصہ ہے جو موجودہ عمارت سے باہر ہے، حطیم اور خانۂ کعبہ کے ارد گرد پختہ اور وسیع صحن ہے، اس کو مطاف کہتے ہیں، اسی میں خانۂ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، مطاف کے ایک حصے میں باب کعبہ ہی کی سمت میں مقام ابراہیم ہے، باب کعبہ کے قریب مشرقی کونے پر حجر اسود لگا ہوا ہے، حجر اسود سے باب کعبہ تک کی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں۔

صحن مسجد کے کناروں پر ہر طرف آگے پیچھے تین اور کسی طرف چار بڑے بڑے دالان ہیں، حرم شریف کا موجودہ رقبہ ہر طرف سے تقریباً ایک فرلانگ ہے''۔۔۔(۱۵۳)

کعبہ معظمہ :

''کعبہ معظمہ'' مسجد حرام کے درمیان بنا ہوا ہے، اس کی شکل ایک بڑے کمرے کی سی ہے، عمارت اونچی اور تقریباً مربع ہے، اس کی بلندی ۱۵ر میٹر ہے، اس کی مشرقی جانب، مشرقی رکن کے قریب اس کا خوب صورت دروازہ ہے جو زمین سے سوا دو میٹر بلند ہے۔

کعبہ کے چار کونے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) رکن عراقی : شمالی جانب

(۲) رکن شامی : مغربی جانب

(۳) رکن یمانی : جنوبی جانب

(۴) رکن حجر اسود : مشرقی جانب

رکن حجر اسود وہ گوشہ ہے، جس میں حجر اسود نامی پتھر لگا ہوا ہے۔

زم زم :

کعبہ معظمہ کے شمالی مشرقی رخ پر مسجد حرام کے اندر پانی کا یہ ایک چشمہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی عنایات کی بنا پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس کے موقع پر پیدا فرمایا تھا، جو آج تک باقی ہے، بلکہ برابر ترقی پر ہے، زم زم کے پانی میں ہلکا سا کھار ہے، جو معدنیاتی اثر کا نتیجہ ہے، پانی متبرک ہونے کے ساتھ معدہ کے لیے مفید اور جسم کے لیے صحت بخش ہے، اس کا پانی پورا شہر پیتا ہے اور دنیا کے مختلف حصوں میں بھی لے جایا جاتا ہے۔۔۔(۱۵۴)

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ''مسجد حرام'' کا اطلاق خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس مطاف کی جگہوں اور ان ساری توسیعات پر بھی ہوتا ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے شاہ فہد کے عہد تک مختلف تاریخی ادوار میں ہوتی رہی ہیں، اسی طرح مسجد حرام کے اطلاق میں وہ صحن بھی شامل ہیں جو مسجد کے گرد نماز کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔۔۔(۱۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک سے شاہ فہد کے عہد تک دس بار مسجد حرام کی توسیع کی جا چکی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی توسیع :

رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں مسجد حرام کے ارد گرد چار دیواری نہیں تھی، بلکہ چاروں طرف رہائشی مکانات تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں جگہ کی قلت محسوس کی تو آپ نے آس پاس کے مکانات کو خرید کر مسجد حرام میں شامل کر لیا، کچھ لوگوں نے اپنے مکانات فروخت کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''تم لوگ خانۂ کعبہ کی قریبی زمین پر آ کر آباد ہوئے تھے، خانۂ کعبہ تمہاری زمین پر آباد نہیں ہوا''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مکانات گرا کر مسجد میں شامل کر دیا اور ان کی قیمت بہ طور امانت خانۂ کعبہ کے خزانے میں رکھوا دی، جب مکانات کے مالکوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے اجتماعی مصلحت کی خاطر اپنے عزم کی تکمیل کر لی ہے تو انہوں نے اپنے مکانات کی قیمت وصول کر لی، اسی دوران میں حضرت عمرؓ نے مسجد حرام کے اطراف میں چار دیواری بنوا دی، دروازے لگوائے اور مطاف کی زمین کو ہموار کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد حرام کی مشرق، مغرب اور شمال کی سمت میں توسیع کی گئی، جانب جنوب میں وادی ابراہیم ہے، اس لیے اس سمت میں توسیع نہیں ہو سکی۔۔۔(۱۵۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ۲۶ھ میں مسجد حرام کی توسیع میں حصہ لیا تھا لیکن ان کے دور میں شاید کوئی قابل ذکر توسیع نہیں ہوئی، اس لیے تاریخ مکہ مکرمہ کا مؤرخ خاموش ہے، اسی طرح اس نے ابو جعفر منصور عباسی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، ولید بن عبدالملک، معتضد عباسی اور مقتدر عباسی کی توسیعات کا ذکر ہی نہیں کیا ہے، بلکہ صرف سنین توسیعات لکھنے پر اکتفا کیا ہے، البتہ اس نے مہدی عباسی (متوفی: ۱۶۹ھ) کی توسیع پر تفصیل سے لکھا ہے، ترکی تعمیر کا بھی اس نے ذکر کیا ہے اور سعودی دور کی توسیعات پر اس نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔

مہدی عباسی کی توسیع :

عباسی خلیفہ مہدی عباسی نے مسجد حرام کی تعمیر نو کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اس نے اپنے عہد کے انجینیروں کو طلب کر کے ان کے سامنے مسجد کی تعمیر نو کا منصوبہ پیش کیا، انجینیروں نے کہا کہ وادی ابراہیم کے پانی کے بہاؤ کو دوسری سمت پھیرنے میں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور بہت زیادہ اخراجات بھی ہوں گے، انجینیروں کی باتیں سن کر مہدی عباسی نے کہا:

''یہ توسیعی منصوبہ ہر حال میں مکمل کرنا ہے، چاہے اس کے لیے مجھے بیت المال کا سارا خزانہ خرچ کرنا پڑے۔''

انجینیروں نے امیر المومنین کا عزم پختہ دیکھا تو توسیعی منصوبے پر کام کرنا شروع کر دیا اور اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، اس تعمیر کی مضبوطی اور استحکام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ توسیعی تعمیر آٹھ سو دس سال باقی رہی، یعنی ۱۶۵ھ (۷۸۵ء) سے ۹۷۹ھ) (۱۵۷۱ء) تک، بلکہ اس تعمیر کے کچھ ستون مسجد حرام کی ترکی تعمیر میں آج بھی باقی ہیں اور بعض پر تاریخی کتبے تحریر ہیں، نیز ان میں سے اکثر ستون سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر سے تراش کر نصب کئے گئے ہیں۔۔۔(۱۵۷)

ترکی توسیع :

۹۷۹ھ (۱۵۷۰ء) میں مسجد حرام سے متصل مدرسہ قاتیبائی کے گر جانے کی وجہ سے مسجد کی مشرقی چھت میں شگاف پڑ گیا، اس لیے سلطان سلیمان قانونی نے حکم دیا کہ مسجد حرام کی تعمیر نو کی جائے، ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں تعمیراتی کام شروع کر دیا گیا، لیکن سلطان سلیمان تعمیر کی تکمیل نہیں کرا سکا، سلیمان کے بیٹے سلطان مراد کے زمانے میں ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ تعمیر مطاف کی چاروں سمت میں کی گئی اور آج تقریباً ۴۴۰ سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی قائم ہے، اس تعمیر میں مسجد حرام کی مساحت میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔۔۔(۱۵۸)

سعودی دور حکومت کی توسیعات :

ہوائی جہاز سمندری جہاز اور بس اور کار کی بہتات کی وجہ سے جب حج کا سفر آسان ہو گیا اور حاجیوں کی تعداد بڑھنے لگی تو سلطان عبد العزیز نے ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں ایک فرمان جاری کیا اور اس میں یہ ہدایت کی گئی کہ مسجد حرام کی اصلاح و مرمت اور توسیع کا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا جائے، مسعیٰ میں پختہ فرش لگا دیا جائے اور اس کی چھت نئی بنائی جائے، مطاف کی موجودہ تعمیرات کو گرا کر طواف کی جگہ کو کشادہ کیا جائے، لیکن ابھی مسجد حرام اور مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کے منصوبے تیار ہی ہو رہے تھے کہ شاہ عبد العزیز ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۳ء) میں انتقال کر گئے۔

شاہ عبد العزیز کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شاہ سعود نے ان کے منصوبے کے مدنظر ۱۳۷۵ھ (۱۹۵۵ء) میں تعمیر و توسیع کا کام شروع کرا دیا، اور بیس سال کے عرصے میں وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔۔۔(۱۵۹)

شاہ سعود کی تعمیر وتوسیع کے بعد شاہ فہد نے شاہی فرمان جاری کیا کہ مسجد حرام کی چھت کو اس طرح تیار کر دیا جائے کہ چھت پر بھی نماز ادا کی جاسکے، وہاں آواز، روشنی اور پانی کا نظم کر دیا جائے، اوپر جانے کے لیے متحرک سیڑھیاں لگا دی جائیں، چھت پر ٹھنڈے پتھر کا فرش لگا دیا جائے، اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تمام مطلوبہ اقدامات کئے گئے اور ۱۴۰۴ھ (۱۹۸۴ء) میں اس پر عمل درآمد کیا گیا، اس اصلاح و مرمت کے بعد چھت کا ۴۲۰۰۰ رمربع میٹر رقبہ اس قابل ہوگیا کہ اس پر ۱۰۵۰۰۰ رافراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔۔۔(۱۶۰)

دوسری سعودی توسیع :

ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی لکھتے ہیں:

''شاہ فہد بن عبد العزیز نے صفر ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۸ء) میں دوسری سعودی توسیع کا سنگ بنیاد رکھا، یہ تعمیری اور توسیعی کام ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ (۱۹۹۳ء) میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس توسیع میں بابِ عمرہ اور باب عبد العزیز کے درمیان ایک وسیع عمارت تعمیر کی گئی، جس کی اصل جگہ ۱۹۰۰۰ رمربع میٹر ہے، اس میں نماز کے لیے درج ذیل چار منزلیں ہیں:

تہہ خانہ، اس کے اوپر پہلی اور دوسری منزل ہے، اس پر چھت کی پلاننگ اس انداز سے کی گئی ہے کہ اس پر بہت بڑی تعداد نماز ادا کرسکتی ہے، ان چاروں منزلوں (تہہ خانہ، پہلی منزل، دوسری منزل اور چھت) کا کل رقبہ ۷۶۰۰۰ ہزار مربع میٹر ہے، اس نئی عمارت کی بنیادیں ایسی مستحکم ومضبوط بنائی گئی ہیں کہ ضرورت پڑنے پر مزید ایک منزل تعمیر کی جاسکتی ہے، اس عمارت میں تین گنبد ہیں، ہر گنبد کا رقبہ ۲۲۵ رمربع میٹر ہے اور ہر ایک کی بلندی ۱۳ رمیٹر ہے، تہہ خانے میں اترنے کے لیے اور دوسری منزل اور چھت پر جانے کے لیے اس توسیعی عمارت کی دونوں طرف عام سیڑھیوں کے علاوہ، متحرک سیڑھیاں بھی ہیں، ہر منزل میں ستونوں کی تعداد ۵۳۰ رہے، جن سے ایرکنڈیشن سسٹم کی ٹھنڈی ہوا کی نکاسی ہوتی ہے''۔۔۔(۱۶۱)

مسجد حرام کے صحن :

شاہی فرمان کے مطابق مسجد حرام کی چاروں طرف توسیع کر کے صحن بنا دیے گئے ہیں، جن پر سفید ٹھنڈے پتھر کا فرش لگا دیا گیا ہے اور اس پر صفوں کے نشانات دیئے گئے ہیں، تاکہ نمازیوں کی صفیں ٹھیک رخ پر قائم ہوسکیں، صحن میں پینے کا پانی اور پانی کی نکاسی اور روشنی کا انتظام عمدہ طریقہ پر کیا گیا ہے، ہر طرف وضو خانے اور بیت الخلا بنا دیئے گئے ہیں۔۔۔(۱۶۲)

ان کے علاوہ مسجد حرام کی عمارت کے گرد سات متحرک سیڑھیاں نصب کی گئی ہیں، جو بجلی سے چلتی رہتی ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ دوسری منزل اور چھت پر جانا آسان ہو۔

دوسری سعودی توسیع میں مسعیٰ کی پہلی منزل کو ایرکنڈیشنڈ کر دیا گیا ہے، صحن کے اطراف میں وضوخانوں اور استنجاخانوں کا بہتر انتظام کیا گیا ہے، عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ انتظام ہے۔

سیلابی پانی اور مستعمل پانی کی نکاسی :

''مسجد حرام'' چوں کہ وادی میں واقع ہے، اس لیے وہ ہمیشہ سیلابوں کی زد میں رہی، حضرت عمر بن خطابؓ اور آپ کے بعد دیگر خلفا اپنے اپنے زمانے میں اس خطرہ کی روک تھام کے لیے کوششیں کرتے رہے، شاہ فہد نے اس مقصد کے لیے ایک جامع پروگرام بنایا، تاکہ اس پورے خطے سے بارش کے پانی کی نکاسی ممکن ہوسکے، چناں چہ پانی کی نکاسی کے لیے زیرزمین پکی گزرگاہیں تیار کر دی گئی ہیں، جن کی بلندی چار میٹر ہے۔۔۔(۱۶۳)

گاڑیوں کے لیے سرنگ :

گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے باب عبدالعزیز کے سامنے ایک سرنگ تیار کی گئی ہے، تاکہ پیدل چلنے والے سکون و اطمینان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوسکیں اور زیادہ بھیڑ بھی نہ ہو، نیز مسجد کے متصل گاڑیوں کا شور نہ ہو اور باب عبدالعزیز کے سامنے کا سارا صحن نماز کے لیے استعمال ہوسکے۔۔۔(۱۶۴)

سعودی حکومت کی توسیع میں صفاومروہ کی اونچی نیچی ناہموار پوری میدانی پٹی کو ہموار کر دیا گیا ہے، پہلے ''مسعیٰ'' مسجد حرام سے الگ تھی، درمیان میں مکانات اور عمارتیں حائل تھیں، علاوہ ازیں مسعیٰ کی دونوں سمت میں دکانیں تھیں، جن کے بیچ سے ہوکر سعی کرنے میں دشواریاں پیش آتی تھیں، سعودی حکومت نے ان عمارتوں اور دکانوں کو خرید کر حسن تعمیر کا ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ''مسعیٰ'' مسجد حرام سے مل گئی ہے، مسعیٰ کو دومنزلہ کر دیا گیا ہے، اور صفاومروہ کی مسافت کو ہموار کر کے اس پر عمدہ فرش لگوادیا ہے، اب طواف کے بعد مسعیٰ پہنچنا آسان ہوگیا۔

صفاومروہ کے درمیان مسعیٰ کی دوسری منزل پر جانے کے لیے متحرک سیڑھیاں اور لفٹیں بنوادی گئی ہیں، اس طرح پہلی منزل سے دوسری منزل پر جانا آسان ہوگیا ہے، صفاومروہ کی پہلی منزل میں عام دروازوں کے علاوہ ایسی سات گزرگاہیں بنوادی گئی ہیں کہ صفاومروہ سے براہ راست مسجد حرام میں داخل ہونا سہل ہوگیا ہے۔

مسعیٰ میں پہلی منزل دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک حصہ صفا سے مروہ جانے کے لیے ہے اور دوسرا حصہ مروہ سے صفا واپس آنے کے لیے، دونوں راہوں کے درمیان جالی دار رکاوٹ کے ذریعہ دو چھوٹی چھوٹی گزرگاہیں بنائی گئی ہیں، جس سے معذور لوگوں کو وہیل چیر (Wheelchair) کے ذریعہ سے سعی کرائی جاتی ہے۔

مروہ پہاڑی پر پتھروں کی اونچ نیچ کو ختم کر کے اس کو ہموار کر دیا گیا ہے، تاکہ سعی کے بعد باہر نکلنا آسان ہو،

اس سمت میں دو پل نما گزرگاہیں بنادی گئی ہیں، جن میں سے ایک بالائی سڑک پر جانے کے لیے استعمال ہوتی ہے اور دوسری گزرگاہ آخری چھت سے براہ راست قرارہ۔(۱۶۵) کی جانب عام سڑک پر آنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔۔۔(۱۶۶)

آخری طواف :

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء کو ۱۲ر بجے دن سے پہلے مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کو وطن کے لیے روانہ ہونا تھا، ان کی روانگی سے ایک روز پہلے ناچیز نے ان سے عرض کیا کہ آپ ایک اور طواف کرادیجیے، اس طرح ۹ر ستمبر کا طواف جو طواف وداع کی نیت سے ناچیز نے کیا تھا وہ ''طواف'' نفلی طواف میں بدل جائے گا اور ناچیز اس طواف کا ثواب اپنے والد شیخ اسماعیلؒ کو ایصال کردے گا، جن کی دعاؤں کے طفیل میں ناچیز کو حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

یہ بات ہر حاجی کو معلوم ہونی چاہیے کہ اگر کوئی حاجی طواف وداع کی نیت سے (اگرچہ طواف وداع کے لیے نیت ضروری نہیں ہے) طواف کرے اور پھر کسی وجہ سے اسے مکہ مکرمہ میں قیام کرنا پڑے تو اس کے لیے طواف وداع کا اعادہ مستحب ہے۔۔۔(۱۶۷)

بہرحال مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب نے اپنی روانگی کے روز فجر کی نماز کے بعد طواف کرانے کا وعدہ کرلیا، بڑی مسرت ہوئی کہ کمزوری اور بے حد ناتوانی کی حالت میں بھی ایک اور طواف کرنے کی سعادت حاصل ہوجائے گی، یہ طواف چوں کہ آخری طواف تھا، اس لیے یہ ناچیز کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء کی رات آرزوؤں کی تکمیل کی آخری رات تھی، چناں چہ جذبۂ شوق میں:

ستارے کروٹیں بدلا کیے سحر کے لیے ❁ یہ اہتمام تجلی مری نظر کے لیے

۔۔۔(مولانا ماہر القادریؒ)

۱۳ر ستمبر کو فجر کی نماز کے بعد مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب ناچیز کی رہائش پر پہنچے اور مسجد حرام لے گئے، عین مطاف میں بڑی بھیڑ تھی، اس لیے ہم لوگ دوسری منزل پر طواف کے لیے گئے، جیسے ہی بیت اللہ پر نظر پڑی فرطِ یاس میں آنکھوں میں آنسو بھر آئے، سوچنے لگا، یہ تو خانۂ کعبہ کا آخری دیدار ہے، نہیں معلوم آج کے بعد پھر کبھی یہ سعادت نصیب ہوگی یا نہیں؟ کیوں کہ بہ وجوہ ناچیز کے حالات خوش آیند نہیں ہیں، یہ سوچتا ہوا مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کا بازو پکڑ کر مصروف طواف ہوگیا، سات چکر لگانے کے بعد مکان کے اندر آکر ایک گوشے میں دو رکعت نماز پڑھی اور دعائیں کیں:

کچھ اور طلب کرنے کا اب ہوش ہے کس کو؟ ❁ ہے گوشۂ دامانِ کرم، دست دعا میں

۔۔۔(روشن صدیقی)

حجر اسود :

افسوس صد افسوس کہ اس آخری طواف میں بھی حجر اسود تک پہنچنے کی سعادت حاصل نہیں ہوسکی، ناچیز کو اپنی بے بسی پر رونا آیا کہ اگر توانائی ہوتی تو عین مطاف کے اندر جا کر طواف کرتا اور ملتزم سے لپٹ کر خوب دعائیں کرتا لیکن:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

اس عالم بے بسی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور سنت پر عمل کرنے کی غرض سے حجر اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے، ورنہ ہر چند کہ یہ پتھر مبارک ہے لیکن اس میں کوئی نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے''۔۔۔(۱۶۸)

یاد آیا تو دل کو تسلی ہوئی کہ چلو نزدیک نہ سہی دور سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لیا تو سنت ادا ہوگئی۔

حجر اسود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حجر اسود جنت سے آیا ہوا ایک پتھر ہے، یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہوں نے اس کو کالا کر دیا۔۔۔(۱۶۹)

حجر اسود پہلے ایک سالم پتھر تھا لیکن مرور ایام نے اس کے آٹھ ٹکڑے کر دیئے ہیں، ان کا سائز مختلف ہے، لیکن سب سے بڑا ٹکڑا کھجور کے برابر ہے، ان ٹکڑوں کو پتھر کے ایک ٹکڑے میں جوڑ دیا گیا ہے اور اس پر چاندی کا فریم لگا دیا گیا ہے، حجر اسود کے ان ٹکڑوں کو بوسہ دینا مسنون ہے، اس بڑے پتھر کو بوسہ دینا مسنون نہیں ہے، جس میں حجر اسود کے ٹکڑے جوڑے گئے ہیں، اسی طرح اس خول کو بوسہ دینا مسنون نہیں ہے، جو اس بڑے پتھر پر چڑھا ہوا ہے۔۔۔(۱۷۰)

ملتزم :

حجر اسود اور خانۂ کعبہ کے دروازے کی درمیانی جگہ کو ملتزم کہا جاتا ہے، یہ جگہ بھی قبولیت دعا کی ہے، اس سے لپٹ کر دعا کرنا مسنون ہے، حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ انہوں نے طواف کیا، پھر نماز پڑھی، حجر اسود کا بوسہ لیا اور پھر اس کے بعد حجر اسود اور دروازے کے درمیان، اس طرح کھڑے ہوئے کہ اپنے سینے، ہاتھ اور رخسار کو دیوار سے چمٹایا اور فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا''۔۔۔(۱۷۱)

ناچیز حجر اسود تک نہیں جاسکا تو ملتزم سے لپٹ کر دعا کرنے کی سعادت کیسے نصیب ہوتی؟

امیر ایسی کہاں قسمت کہ پہنچوں اڑ کے پھولوں تک
کبھی چاکِ قفس سے جھانک لیتا ہوں گلستاں کو

۔۔۔(امیر مینائی مرحوم) ۔۔۔(جاری)

مآخذ وحواشی :

(۱۵۲) سید شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی، ج:۵، الجزء الرابع عشر، دار الفکر بیروت، ص:۱۰۰
(۱۵۳) مولانا محمد رابع ندوی، جزیرۃ العرب، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ص:۲۲۵، ۲۲۶
(۱۵۴) حوالہ بالا، ص:۲۲۶، ۲۲۷
(۱۵۵) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی، تاریخ مکہ مکرمہ، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ، ص:۹۷۔
(۱۵۶) حوالہ بالا، ص:۱۰۳، بحوالہ اخبار مکہ للازرقی، ج:۲، ص:۶۸
(۱۵۷) حوالہ بالا، ص:۱۰۳، ۱۰۴
(۱۵۸) حوالہ بالا، ص:۱۰۴
(۱۵۹) حوالہ بالا، ص:۱۰۴، ۱۰۵
(۱۶۰) حوالہ بالا، ص:۱۰۵
(۱۶۱) حوالہ بالا، ص:۱۰۵، ۱۰۶
(۱۶۲) حوالہ بالا، ص:۱۱۱، ۱۱۲
(۱۶۳) حوالہ بالا، ص:۱۱۲
(۱۶۴) حوالہ بالا، ص:۱۱۲
(۱۶۵) حوالہ بالا، قرارہ: مسجد حرام کی شمالی سمت میں ایک مقام، ص:۹۶
(۱۶۶) حوالہ بالا، ص:۹۴ تا ۹۶
(۱۶۷) مولانا مفتی محمد شفیعؒ، جواہر الفقہ جلد چہارم، زکریا بک ڈپو دیوبند، ص:۱۵۱
(۱۶۸) محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی مشکاۃ المصابیح الجزء الثانی، دار الفکر بیروت، ص:۹۰، حدیث نمبر:۲۵۸۹
(۱۶۹) حوالہ بالا، ص:۸۸، حدیث نمبر:۵۷۷
(۱۷۰) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی، تاریخ مکہ مکرمہ، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ، ص:۴۳، ۴۴
(۱۷۱) حوالہ بالا، ص:۴۷ بحوالہ سنن ابن ماجہ مناسک حدیث نمبر:۲۹۶۲، حسن

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

سہ ماہی المجیب
میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

اُردو ادب میں سیرت نگاری: ایک تحقیق

● سید محمد نیر رضوی ـــ سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب قرآن اور صاحب قرآن یعنی اپنے محبوب، پیغمبر اسلام، محسن انسانیت، ہادی برحق، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ چنانچہ رہتی دنیا تک قرآن موجود ہے اور جب قرآن مجید موجود ہے تو صاحب قرآن کا ذکر مبارک بھی رہتی دنیا تک موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآن مجید اور صاحب قرآن کا محافظ ہے، خواہ وہ جس طرح حفاظت فرمائے، لہٰذا پوری دنیا میں قرآن مجید کے حفظ کئے جانے کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے یہ بھی حفاظت قرآن کا ایک ذریعہ ہے جو آج بھی برقرار ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ چنانچہ ایک طرف لاکھوں کی تعداد میں عالمی سطح پر حفاظ کے قلوب میں قرآن مجید اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہے تو دوسری جانب اللہ نے اپنے محبوب، نبی اکرم، پیغمبر اسلام رسول اکرم ﷺ کی سیرت نگاری کے لئے بھی قرآن مجید میں سورہ جمعہ میں ایک ضابطہ عمل کا نفاذ کر دیا ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ سیرت طیبہؐ پر تحریر کی جانے والی کتب یا سیرت نگاری کا فن قرآن مجید میں بیان شدہ اسی ضابطہ عمل کے تحت پروان چڑھا اور آج بھی یہ فن اسی ضابطہ عمل کے تحت ارتقائی منازل طے کر رہا ہے۔ سورہ جمعہ کی آیت مبارکہ میں یہ ضابطہ عمل دیکھئے:

هُوَالَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾ ـ (الجمعة)

اس آیت مبارکہ میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں، اول: آیات کی تلاوت یعنی اسلامی تعلیمات وقوانین کا ابلاغ، دوم: کتاب الٰہی کی تعلیمات، اس کے معانی ومطالب کی تشریح وتفسیر اور اُس کے اسرار ورموز سے واقفیت، سوم: حکمت یعنی پیغمبر اسلام کی حکیمانہ شخصیت کا اُسوہ حسنہ اور چہارم: تزکیہ نفس یعنی روحانی تربیت کے ذریعہ عقائد واعمال اور اخلاق کا تزکیہ کرنا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق قرآن نے اعلان کر دیا ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ''یعنی'' جس نے سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا اور اُس پر مہر لگا دی۔ اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لئے نہیں کھلے گا''، پھر اس مالک حقیقی کا حکم بھی آ گیا:

''وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔'' گویا اب اس حکم کے پیش نظر قرآن مجید اور صاحب قرآن کے محافظ نے ''تحفظ قرآن اور تحفظ صاحب قرآن'' پر اپنی مہر لگا دی۔ اس طرح عالمی منظر نامہ پر یہ حق اظہر من الشمس ہے کہ ''قرآن مجید اور حیات النبی ﷺ کو اللہ رب العزت کا پروٹو کال حاصل ہے۔''

محولہ بالا سے یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ سیرت النبیؐ کا بنیادی اور اصل ماخذ بھی قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ہر سورہ بالواسطہ یا بلا واسطہ کلمہ طیب ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے ارد گرد ہے۔ ہر سورۂ مبارکہ آپؐ کی سیرت مبارکہ کے کسی نہ کسی پہلو پر بالواسطہ یا بلا واسطہ روشنی ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس پروٹو کال کی ایک مختصر مگر نہایت چشم کشا مثال دیکھئے کہ قرآن مجید کی محض آخری دس سورتیں یعنی تیسویں پارہ کی سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک کی تفسیر ملاحظہ کریں تو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر قرآن مجید میں سیرت نگاری کا نہایت دلکش نمونہ دنیا اور بالخصوص بندۂ مومن کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حاصل شدہ پروٹو کال کی ایک اور دلکش مثال دیکھئے کہ یہی وہ دس سورۂ مبارکہ ہیں جنہیں بندۂ خدا روزانہ اپنی پنج وقتہ نمازوں میں بالعموم تلاوت کیا کرتا ہے اور یہی وہ دس سورہ ہیں جو ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے دوران بھی بالعموم تلاوت کی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہی سورہ مبارکہ کی وجہ سے نماز تراویح عام بول چال کی زبان میں ''سورہ تراویح'' کہلاتی ہے۔ اب پروٹو کال کے قابل عمل ہونے پر نظر ڈالئے: تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ دور نبوتؐ میں محسن انسانیت، ہادی اعظم، پیغمبر اسلام، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، سرور کائنات، امام الانبیاء، سید المرسلین، شافع محشر، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مقدس کاتبین وحی بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، حضرت شرحبیلؓ، حضرت عبداللہ بن سعدؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جہیم بن صلتؓ اور حضرت حصین بن نمیرؓ وغیرہ تھے جنہوں نے آپؐ کی حیات پاک ہی میں، ۲۳ سال کے اندر قرآن مجید کو بذریعہ حفظ اور بذریعہ تحریر دونوں طریقہ کار سے محفوظ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات (۱۱ھ) کے ایک سال بعد ہی خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پورا قرآن مجید ایک کامل نسخہ میں قلم بند کر دیا جس کی چھ نقلیں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۵ھ میں بلاد اسلامیہ بھیج دیا تھا۔ اس طرح اللہ رب العزت نے قرآن اور ذکر صاحب قرآن سینہ اور سفینہ دونوں میں محفوظ کر دیا۔

قرآن مجید کے بعد سیرت النبیؐ کا دوسرا بڑا اہم ماخذ احادیث نبویؐ ہے جن کے مقدس راویوں کی تعداد بھی تقریباً ایک لاکھ ہے۔ احادیث کی تحریر کا کام بھی آپ ﷺ کی حیات پاک کے آخری زمانہ میں شروع ہو چکا تھا۔ مقدس محدثین کرام نے بھی تمام تر مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے بڑی محنت اور سخت کاوشوں کے بعد نہایت ادب و احترام اور احتیاط کے ساتھ کتب احادیث مرتب کی ہیں۔ ابتدائی دور میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ''صحیفہ صادقہ'' مرتب کیا جس میں انہوں نے

ایک ہزار احادیث کو جمع کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی احادیث کے صحیفے مرتب کئے تھے مگر سب ضایع ہو گئے صرف ایک صحیفہ بچ گیا جسے اُن کے شاگرد عزیز ہمام بن منبہ (متوفی ۱۰۱ھ) نے مرتب کیا جو اُن ہی کے نام سے ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' منسوب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ-۱۵۰ھ) نے احادیث کی تدوین وترتیب میں بڑی محنت کی اور اسے ایک مستقل تصنیف میں ابواب فقہ پر مرتب کر ''کتاب الآثار'' نام دیا۔ صحاح ستہ سے قبل ''موطا'' احادیث نبویؐ کا وہ پہلا مجموعہ ہے جسے حضرت امام مالکؒ نے ۱۴۳ھ میں ترتیب دیا۔ احادیث نبویؐ کا سب سے بڑا مجموعہ ''مسند احمد بن حنبل'' جسے امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ-۲۱۴ھ) نے ترتیب دیا ''صحاح ستہ'' اُن چھ تصانیف کا نام ہے جو احادیث نبویؐ کے بہترین انتخاب پر مشتمل ہے۔ یہ تصانیف بالترتیب اپنے اپنے مولفین کے نام سے مشہور ومعروف ہوئیں، جو اس طرح ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔

سیرت نبویؐ کا تیسرا بہت ہی اہم ماخذ مغازی اور سیرت کی وہ کتابیں ہیں جو ابتدائی دور کے قابل صد احترام بزرگوں نے ترتیب دی تھیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے ابان بن عثمانؓ (۲۰ھ-۱۰۰ھ)، عروۃ بن الزبیر بن العوام (۲۳ھ-۹۴ھ)، وہب بن منبہ (۳۴ھ-۱۱۰ھ) عاصم بن عمر (متوفی ۱۲۰ھ)، شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ)، ابن شہاب زہری (۵۱ھ-۱۲۴ھ)، موسیٰ بن عقبہ (۵۵ھ-۱۴۱ھ)، معمر بن راشد (۹۶ھ-۱۵۰ھ) وغیرہ کی تصانیف ملتی ہیں۔ مگر محمد بن اسحٰق بن یسار بن خیار (۸۵ھ-۱۵۱ھ) اس ضمن میں وہ پہلی صف کے سیرت نگار کہے جاسکتے ہیں جن کی کتاب ''کتاب المغازی والسیر'' کا بیشتر حصہ مرتب اور مدون شکل میں موجود ہے اور جسے ابومحمد عبدالملک بن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''سیرۃ رسول اللہ'' میں محفوظ کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''سیرۃ رسول اللہ'' کو کتاب المغازی والسیر کی توسیعی شکل بھی کہا جاتا ہے۔ اس مرحلہ تک پہنچتے پہنچتے سیرت رسول ﷺ پر تحریر کی جانے والی تحریریں اب نکھرنے لگی تھیں۔ چنانچہ ابن ندیم کی ''الفہرست'' اور یاقوت حموی کی ''معجم الادباء'' میں ایسی ۲۸ تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں مشہور مورخ ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ-۲۰۷ھ) کی ''التاریخ والمغازی والمبعث''، ''ازواج النبیؐ''، ''وفات نبیؐ'' اور ''السیرۃ'' کا تعلق سیرت نبویؐ سے ہے۔

عہد نبوتؐ ہی میں اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کے ادوار میں اسے مزید وسعت عطا ہوئی۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکومت، سیاست، معیشت اور عدل وانصاف کے نئے نئے زاویہ نظر سامنے آنے لگے اور دنیا میں امن وشانتی کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے سماج کا ایک نیا تانا بانا وجود میں آنے لگا جو ترقی کرتے ہوئے زمانہ سے مطابقت رکھتا تھا۔ مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا فکر وفہم میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کا حافظہ بھی کمزور ہونے لگا تو سیر وتاریخ کی تدوین وتحریر کی

سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ سیرت نگاری کے ماخذ کے سلسلہ میں متذکرہ بالا تین اہم ماخذ کے علاوہ محققین نے اپنے اپنے ادوار کے مورخین اور مصنفین اور بالخصوص سیرت نگاروں کے ذریعہ ترتیب وتدوین کی جانے والی یا تحریر کی جانے والی تاریخ کی کتب کو بھی نہایت اہم ماخذ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

مورخین نے جہاں اسلام، اسلامی دنیا اور اسلامی مملکت سے وابستہ مختلف شخصیتوں اور احوال و وقایع کا تفصیلی بیان درج کیا ہے وہیں بانی اسلامؐ اور پیغمبر اسلامؐ کی سوانح حیات، حیات مبارکہ میں درپیش روایات و واقعات اور آپ ﷺ کے دست مبارک سے انجام پانے والے مقدس کارناموں کو بھی نہایت ترتیب سے قلم بند کیا ہے۔ مثلاً ابو معشر السندھی، (متوفی: ۱۷۰ھ)، واقدی (متوفی: ۲۰۷ھ)، مدائنی (متوفی: ۲۲۵ھ) اور محمد بن سعد (متوفی: ۲۳۰ھ) وغیرہ وہ مورخین ہیں جنہوں نے سیرت ومغازی سے لے کر دور عباسیہ تک کی تاریخ قلم بند کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ کتب تاریخ میں ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری، (متوفی: ۲۸۲ھ) کی ''اخبار الطوال'' علم تاریخ کے موضوع پر اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے اور سیرت رسولؐ کے لئے نہایت اہم ماخذ ثابت ہوئی ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ تاریخ یعقوبی (۲۸۴ھ)، تاریخ طبری (۳۱۰ھ)، التنبیہ والاشراف المسعودی (۳۴۶ھ) اور المنتظم ابن جوزی (۵۹۷ھ) نہایت اہم ماخذ ہیں جن میں ابتدائے آفرینش سے لے کر پیغمبر اسلام حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک کے واقعات درج کر دئے گئے ہیں۔ اسی طرح ابن اثیر کی تاریخ الکامل (۶۳۰ھ)، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ (۷۷۴ھ) اور تاریخ ابن خلدون (۸۰۸ھ) میں رسول پاکؐ کے حالات تحریر کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں مسلم فتوحات کا تفصیلی بیان بھی ہے جسے دیکھنے سے محقق کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں قرآن مجید کی تفسیر پر کتاب کسی نے بھی نہیں لکھی۔ دراصل اس کام کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں احادیث مبارکہ، آپؐ کا اُسوہ حسنہ اور آپؐ کے شب و روز کو ضبط و مدون کرنے کی تحریک کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا بیان میں عرض کیا جاچکا کہ قرآن مجید بنیادی ماخذ ہے، چنانچہ سیرت رسولؐ کا ایک اور اہم ماخذ وہ کتب تفاسیر بھی ہیں جو قرآن مجید کے معانی ومطالب اور مفاہیم کی وضاحت کے واسطے قدماء نے تحریر کی ہیں۔ قرآن مجید چونکہ آپ ﷺ پر نازل ہوا اور اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ''۔ (النحل: ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ اُسے لوگوں کے لئے واضح کریں۔

غرض قرآن مجید کے پہلے مفسر خود آقائے نامدار رسول اکرم ﷺ ہی ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ سے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔ حالاں کہ مفسرین صحابہؓ کی تعداد زیادہ نہیں ہے مگر ان کے تفسیری اقوال کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ اُنہوں نے قرآن کو رسول اکرم ﷺ سے خود سنا تھا اور وہ آیات کے سبب نزول سے واقف تھے۔ امام جلال الدین سیوطی نے

''الاتقان'' میں جن دس صحابہ مفسرین کا ذکر کیا ہے اُن میں خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان مفسرین صحابہ کرامؓ کے علاوہ چند اور اہم صحابہ کرامؓ کے اسماء کا شمار بھی قابل قدر مفسرین میں کیا جاتا ہے جیسے حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور بالخصوص اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ وغیرہ اس فہرست میں شامل ہیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ قرآن فہمی اور قرآن مجید کے معارف و مطالب اور تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

عہد رسالت مآب ﷺ کی تفاسیر کے بعد عہد صحابہ کی تفاسیر، عہد تابعین کی تفاسیر، عہد تبع تابعین کی تفاسیر اور متاخرین کی تفاسیر ہیں جو سیرت نگاری کے واسطے سیرت رسول پاک ﷺ کے لئے نہایت اہم ماخذ ثابت ہوئی ہیں۔ عہد صحابہ میں سب سے مشہور تفاسیر حضرت ابی بن کعب انصاریؓ (۱۹ھ) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۷۸ھ) سے منسوب ہیں۔ عہد تابعین میں قرآن فہمی کے کام میں ایک تنظیمی وحدت دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ اس عہد میں قرآن فہمی کے لئے تین مدارس نے بطور خاص شہرت پائی۔ پہلا مکہ معظمہ، دوسرا مدینہ منورہ اور تیسرا شہر کوفہ۔ علامہ ابن تیمیہؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''اُصول التفسیر'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے اہل مکہ ہیں کیونکہ وہ ابن عباسؓ کے تلامذہ ہیں۔ تبع تابعین نے اپنی کتب تفاسیر میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال زریں کو بنیاد بنایا اور اس کسب فیض کی بنیاد پر باضابطہ کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً ابو الشیخ ابن الحیان (متوفی ۳۶۹ھ)، ابو بکر بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۸ھ) عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ)، روح بن عبادہ (متوفی ۲۰۵ھ) کی تفاسیر۔ ابن ماجہ (متوفی ۲۷۵ھ)، ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، اور ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) وغیرہ۔ ان ادوار کے بعد متاخرین کا دور آتا ہے جو تبع تابعین کے بعد کا دور ہے اور یہ سب سے طویل دور ہے۔ اس دور کا آغاز خلافت عباسیہ سے ہوتا ہے جو عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں تفسیر طبری، تفسیر کبیر رازی، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین، تفسیر فتح القدیر اور تفسیر روح المعانی آلوسی تحریر کی گئیں۔

اس طرح تیسری صدی ہجری میں رسول پاکؐ کی سیرت، ان کے اقوال و افعال، طرز حیات، مغازی و فتوحات اور اسلامی تاریخ و واقعات پر مشتمل دستیاب تصانیف وغیرہ، بعد کے مختلف طبقات اور مختلف ادوار کے سیرت نگاروں کے لئے سیرت نگاری کا اہم ماخذ بنیں۔ اسلامی تاریخ میں بیان شدہ ان تاریخی مصادر و مراجع کے علاوہ سیرت نگاری کے لئے چند دیگر اہم ماخذ جیسے ''کتب اسماء الرجال''، ''کتب شمائل''، ''کتب دلائل نبوت''، کتب آثار و اخبار'' اور ''معاصرانہ شاعری'' کا بھی ذکر ملتا ہے۔

قدیم محدثین ومصنفین نے تحقیق میں بڑی محنت کی اور سخت کاوشوں کے بعد ''اسماء الرجال'' مرتب ہوئی۔ان کاوشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''اسماء الرجال'' کے طریقۂ تحریر نے باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کرلیا اور پھر اسی فن کی بدولت ہزاروں صحابہ کرامؓ اور دیگر مقدس اشخاص کے حالات وکوائف منضبط ہوئے۔ چنانچہ اس دوران آپ ﷺ کے حالات وکوائف بھی منضبط ہوئے۔شعبہ بن حجاج وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس فن کی باضابطہ ابتدا کی تھی اور قواعد وضوابط منضبط کیا تھا۔حضرت یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) وہ عظیم فاضل ہیں جنہوں نے اس فن پر کتاب لکھ ڈالی۔اس ضمن میں چند دیگر اہم تصانیف کا ذکر بھی ملتا ہے جو اس طرح ہے: طبقات ابن سعد از ابن سعد،تواریخ امام بخاری،کتاب الجرح والتعدیل،اسد الغابہ از ابن اثیر اور میزان الاعتدال از امام ذہبی۔

اسی طرح کتب شمائل دراصل وہ تصانیف ہیں جن میں آپ ﷺ کے حلیہ مبارک،عادات وخصائل،معمولات زندگی اور کمالات وفضائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔حالانکہ احادیث کی تقریباً تمام کتب میں اس موضوع پر مباحث موجود ہیں مگر بطور خاص صرف شمائل ہی کو موضوع بنا کر پیش کیا جانا باضابطہ ایک فن قرار پایا۔ چنانچہ امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) کی کتاب ''کتاب الشمائل''اس فن کی سب سے پہلی اور شہرہ آفاق تالیف ہے۔شمائل نبوی پر سب سے بڑی اور اہم کتاب قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی ''کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰؐ'' ہے جس کی شرح علامہ شہاب الدین خفاجی نے ''نسیم الریاض'' کے نام سے تحریر کی ہے۔اس فن کی دوسری اہم کتابیں اس طرح ہیں: شمائل النبی از ابوالعباس مستغفری (متوفی ۴۳۲ھ)،شمائل النور از ابن المقری غرناطی (متوفی ۵۵۲ھ) اور سفر السعادۃ از مجدالدین فیروز آبادی (متوفی ۸۱۷ھ)۔اسی طرح کتب دلائل میں آپؐ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا بیان ہوتا ہے۔اس ضمن میں امام ابوبکر بیہقی (متوفی ۴۳۰ھ) کی ''دلائل النبوۃ'' ابوالقاسم اصفہانی (متوفی ۵۳۵ھ) کی ''دلائل النبوۃ'' امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی ''خصائص الکبریٰ'' اور علامہ جلال الدین بلقینی (متوفی ۸۲۴ھ) کی ''معجزات النبی'' وغیرہ نہایت اہم کتب ہیں۔اسی طرح کتب آثار واخبار یعنی شہر مکہ اور شہر مدینہ کے حالات کے بارے میں جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں بھی آپ ﷺ کے حالات زندگی بالخصوص ان مقامات مقدسہ کے حوالہ سے بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق آپؐ سے تھا۔اس ضمن میں علامہ ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) کی ''اخبار مکہ'' بہت مستند تصنیف تسلیم کی جاتی ہے۔علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی تصنیف ''خطبات مدراس'' میں عمر بن شبہ (متوفی ۲۶۲ھ) کی ''اخبار مدینہ''، فاکہی کی ''اخبار مکہ'' اور ابن زبالہ کی ''اخبار مدینہ'' کا ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ علامہ امام تقی الدین فاسی (متوفی ۸۳۲ھ) کی ''عقد الثمین'' اور علامہ قطب الدین (متوفی ۹۸۶ھ) کی ''اعلام الاعلام'' میں مکہ معظمہ کی معاشی ومعاشرتی اور تعلیمی وانتظامی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ میں آپؐ کی ذات مبارک کے حوالہ سے جو شاعری کی گئی،وہ بھی سیرت نگاروں کے لئے اہم ماخذ ثابت ہوئے۔رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں شاید ہی کوئی صحابی ہوں جنہوں نے شعر نہ کہا ہو اور مناسب موقع پر

پڑھ کر نہ سنایا ہو مگر آپؐ کے ہمعصر شعرا میں ابو طالب، اعشیٰ، کعب بن زہیر، حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن زبعری، کعب بن مالک، اور عباس بن مرداس وغیرہ شعرا کے نام قابل ذکر ہیں۔ سیرت نگاروں کو سیرت میں شاعری کے تجزیہ اور شعرائے کرام کے اشعار کی مدد سے بھی حقیقی واقعات و جذبات تک مناسب رسائی ہوتی ہے۔ اس طرح متذکرہ بالا مراجع و مصادر اور نوع بنوع ماخذ کی بدولت ہی عرب میں سیرت نگاری کا دور شروع ہوا اور ہمیں اُمرا اور حکام کے زیر سایہ سیرت نگاری کا باضابطہ آغاز ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ مسلسل مستحکم ہوتا ہوا دکھائی پڑتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی دور سے لے کر مختلف ادوار سے گذرتی ہوئی رسول اکرم ﷺ کی سیرت نگاری نے نہ صرف یہ کہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی بلکہ سیرت نگاری کی افادیت، اہمیت اور سیرت نگاری کے مطالعہ کی ضرورت سے بھی دنیا روشناس ہونے لگی۔ اُن سیرت نگاروں میں جن عظیم اور اعلیٰ مرتبت سیرت نگاروں نے اہم کردار ادا کرتے ہوئے سیرت نگاری کی ہے اور جن کی بدولت فن سیرت نگاری کو مزید فروغ حاصل ہوا ہے، اُن میں عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ھ)، ابان بن عثمان (متوفی ۱۰۵ھ)، وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۰ھ)، معمر بن راشد (متوفی ۱۱۴ھ)، عاصم بن عمر (متوفی ۱۱۹ھ)، شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ)، ابن شہاب الزہری (متوفی ۱۲۴ھ)، ابن اسحاق (متوفی ۱۲۸ھ)، عبداللہ ابن ابی بکر بن حزم (متوفی ۱۳۵ھ)، ابن ہشام (متوفی ۱۵۱ھ)، الواقدی (متوفی ۲۰۷ھ) ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)، احمد بن ابی یعقوب (متوفی ۲۸۴ھ)، ابن حزم (متوفی ۴۰۲ھ)، ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (متوفی ۳۴۵ھ)، ابن کثیر، ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) اور ابن اثیر (۶۳۰ھ) وغیرہ سیرت نگار قابل ذکر ہیں۔

محققین کی رائے میں سیرت نبویؐ سے متعلق تحریری سرمایہ موجود تو تھا مگر مختلف وجوہات کی بنیاد پر تصنیف و تالیف کا سنجیدہ مذاق موجود نہ تھا مگر اُمرا و حکام کے زیر سایہ اہل علم میں ذوق پیدا ہوا اور وہ سیرت نگاری کی جانب بڑی سنجیدگی سے مائل ہوئے اور باضابطہ شروعات اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے عبید ابن شریح کو یمن سے بلا کر قدماء کے حالات تحریر کرائے اور اس کا نام ''اخبار الماضین'' رکھا پھر عبدالملک ابن مروان نے حضرت سعیدؒ بن جبیر سے قرآن مجید کی تفسیر لکھوائی۔ مگر علوم اسلامیہ کی منظم طور پر تدوین و ترتیب کا سہرا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سر ہے جنہوں نے اپنے دور کے محدثین کو تدوین احادیث کا حکم دیا۔ آپؒ نے سب سے پہلے شہر مدینہ کے قاضی اور مشہور عالم دین ابوبکر بن محمد بن عمر ابن الانصاریؒ سے احادیث کی تدوین کا کام لیا۔ عصر حاضر کے مشہور عالم دیں اور عظیم محقق و مصنف جناب مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری صاحب مدظلہ العالی بھی حال ہی میں شائع اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''خلافت و ملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ'' میں فرماتے ہیں:

'' اسلام میں قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہمیت حدیث کو حاصل ہے، حدیث دین میں حجت ہے، اس کی حجیت کا تقاضا تھا کہ اس کو محفوظ کر لیا جائے تاکہ اس سے مسائل شرعیہ میں استنباط و اجتہاد کیا جائے، عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت تک باقاعدہ حدیثوں کو لکھ کر مدون نہیں کیا گیا، نہ کوئی مجموعہ مرتب کیا گیا کیونکہ صحابہ اور تابعینؓ حدیثوں کو بہت کم

لکھتے تھے اور بکثرت روایت کرتے تھے، ان کے حافظے بہت مضبوط تھے، ان میں زبانی یادداشتوں کا بہت رواج تھا لیکن جس دین کو قیامت تک باقی رہنا ہے اس میں یہ سلسلہ کب تک رہ سکتا تھا''۔۔۔(ص: ۳۲۳)

جناب مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری صاحب مدظلہ العالی اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

''دوسری طرف عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت تک دنیا سے صحابۂ کرام کی بیشتر تعداد رخصت ہو چکی تھی، کبار تابعین دارفانی سے کوچ کرتے جارہے تھے، جب آپ نے دیکھا کہ مرور ایام کے ساتھ علوم نبوت ورسالت کے وارثین کی مقدس جماعت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے، تو علماء اور محدثین کے رخصت ہو جانے کی وجہ سے آپ کو علوم شرعیہ اور حدیثوں کے ضائع ہو جانے کا بھی اندیشہ لاحق ہو گیا جیسا کہ کئی فرامین میں اس خدشہ کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس لئے آپ نے حدیثوں کی جمع وتدوین کے لئے مضبوط ومستحسن اقدامات کئے اور ان کی حفاظت کو خلافت کی بڑی ذمہ داری قرار دیا۔ آپ نے اپنے زمانے کے علماء ومحدثین کو جو حدیث کی نقل وروایت میں مشہور تھے، تدوین حدیث کی طرف متوجہ کیا کہ وہ حدیثوں کو تحریری شکل میں جمع کرلیں، اس طرح آپ کے دور خلافت میں علم حدیث باقاعدہ ترتیب وتدوین کی منزل میں داخل ہو گیا''۔۔۔(ص: ۳۲۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی نے عاصم بن قتادہ انصاری کو حلقہ درس قائم کر مغازی وسیر کے مضامین پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اب علوم اسلامیہ کی معیاری طریقہ سے توسیع ہونے لگی تھی اور عربوں میں سیرت نگاری کا عام ذوق پیدا ہو چکا تھا۔ عظیم محقق ڈاکٹر مصطفیٰ صابری کی تحقیق کے مطابق سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے ابان بن عثمانؓ نے قلم اٹھایا۔

سیرت نگاری کے اولین دور میں ابان بن عثمان، عروہ بن زبیر، شرحبیل بن سعد اور وہب بن منبہ کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔ چند محققین نے ''سیرۃ ابن ہشام'' کو پہلی سیرت قرار دیا ہے جبکہ دیگر مصنفین مثلاً سہیلی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا شاہ آیت اللہ قادری وغیرہ کی رائے میں امام ابن شہاب زہری پہلے سیرت نگار ہیں۔ سیرت نگاری کے دوسرے دور میں ابوبکر بن حزم انصاری اور عاصم بن قتادہ انصاری کا نام لیا جاتا ہے۔ تیسرا دور موسیٰ ابن عقبہ اور محمد بن اسحاق سے شروع ہوتا ہے اور اُن کے بعد بڑا کام محمد بن عمر واقدی محمد بن سعد کا ہے۔ بہر حال سیرت نبوی ﷺ پر سیرت نگاری کا جو سلسلہ چل پڑا وہ کبھی تھما نہیں اور اب یہ سلسلہ ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ واضح رہے کہ یہ پروٹو کال، اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ پروٹو کال ہے۔ عہد رسالت، عہد تابعین اور عہد تبع تابعین میں متذکرہ بالا سیرت نگاروں سے وابستہ مختلف النوع سیرت نگاری کی بنیاد پر اب بشمول سرزمین ہندوستان پوری دنیا کی مختلف زبانوں میں سیرت نگاری کا باب کھلا اور تقریباً ہر زبان میں عربی سیکھنے اور پڑھنے کے بعد یا تراجم کی مدد سے سیرت رسول اکرم ﷺ پر سیکڑوں تصانیف تحریر کی جانے لگیں۔ پھر اسلام کے فروغ کے ساتھ ساتھ دنیا کے مختلف خطوں میں صحابہ کرامؓ بالخصوص تابعین اور تبع تابعین کی بھی رسائی ممکن ہوئی جو ہندوستان سمیت مختلف ممالک میں سیرت نگاری کے

فن میں نکھار، استحکام اور استناد کے حصول کا سبب بنا۔ مستشرقین نے بھی سیرت نگاری میں خوب خوب طبع آزمائی کی۔ ابتدا میں تو ہندوستان میں سیرت نگاروں نے عربی اور فارسی ہی میں سیرت نگاری کی مگر بعد کے ادوار میں ہندوستان کی دیگر زبانوں مثلاً بنگلہ، اُردو اور ہندی میں بھی سیرت رسول ﷺ پر تصانیف تحریر کی گئیں۔

معتبر اور مستند سیرت نگاری اور اس کے تراجم کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی عظیم شخصیت دنیا کے سامنے قرآن کی تفسیر میں بھی نکھر کر آئی اور دنیا آپ ﷺ کے خصائل حمیدہ اور اُسوہ حسنہ سے روشناس ہوئی۔ عالم اسلام اور بالخصوص غیر مسلموں کے درمیان یہ مباحث عام ہوئے کہ آپ ﷺ سہل پسند تھے، امین تھے، حق گو تھے اور حقائق کو پیش کرنے کی حکمت عملی اور فن حق گوئی سے بخوبی واقف تھے۔ سبھی انسان کا احترام کرتے تھے اور عدل و انصاف، بھلائی اور راہ راست کی ہدایت کے لئے ان کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ ومشاہدہ ہر دور کے لئے نہایت اہم علمی، تہذیبی اور ثقافتی ضرورت بن کر ابھرتی ہے جو بین الاقوامی سطح پر تاریخ عالم کا ایک بیش قیمتی سرمایہ تصور کی جاتی ہے جس میں ہر دن کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ آپؐ کی حکیمانہ شخصیت نے اپنے عالمی مشن کو مکہ معظمہ سے شروع کیا اور اپنی مختصر سی حیات طیبہ ہی میں اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیا، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے صاحب قرآن، توحید کے علمبردار اور پیغمبر رسالت مآب ﷺ کے پیغمبرانہ مشن کی تکمیل پر ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ .....'' کی مہر ثبت کر دی اور اس طرح آپؐ کا وہ عالمی مشن جو انسان اور انسانیت کی بقا کے لیے، دنیا میں امن چین، فلاح عامہ، حق اور عدل و انصاف کے لئے آیا تھا، وہ نہ صرف مکمل ہوا بلکہ ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات محض ترسٹھ سال میں ہو گئی تھی مگر آپؐ کی وفات کے بعد بھی قرآن مجید اور آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں انسان اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور حق و انصاف کا عمل جاری و ساری رہا اور سیرت نگاری بطور فن بھی ارتقائی منزل طے کرتی رہی اور دنیا پہلے سے بھی زیادہ سیرت طیبہؐ کی ضرورت اور اہمیت سے واقف ہوئی۔ دنیا کو سیرت رسول پاکؐ کی سیاسی، معاشی و معاشرتی، ریاستی، تنظیمی و انتظامی، انسانی و اخلاقی، متصوفانہ خصائل اور سماجی و عمرانی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ عالمی برادری کو معلوم ہوا کہ آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کا اُسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ہر انسان کے لئے ہر دور میں اہم اور لازمی ہے۔

تاریخ کی مستند روایتوں کی بنیاد پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد آمد سے سندھ، ملتان، دیبل، سندان، خضدار اور قندابیل، اسلامی علوم کے بڑے مراکز میں شمار ہونے لگے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق نے اپنی کتاب ''علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ'' میں ان تمام علماء کا تفصیلی ذکر کیا ہے جنہوں نے ہندوستان میں اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث و مغازی و سیرت کی اشاعت میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں سندھ میں جب مسلمانوں کی حکومت مستحکم ہونے لگی تو یہاں علم حدیث اور مغازی و سیر کے کام کی جانب توجہ دی گئی۔ چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلا نام

حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری کا ہے جو ۷۱۲ء میں ہندوستان تشریف لائے اور علم حدیث کے جمع اور تدوین کا کام بخوبی انجام دیا۔ اُن کے بعد حباب بن فضالہ، اسرائیل بن موسیٰ (ملقب بہ نزیل ہند) ہندوستان تشریف لائے۔ حضرت حباب بن فضالہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ اُنہوں نے حضرت مالک بن انسؓ کی زیارت کی تھی اور حضرت اسرائیل بن موسیٰ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عزیز تھے۔ دوسری صدی ہجری میں اہم نام ابومعشر نجیح سندھی (۷۲۲ء) کا آتا ہے جنہیں یہاں ہندوستان میں فن مغازی وسیر میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ سیرت نگاری کے ضمن میں ہندوستان کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے مکتوبات کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلی مرتبہ یہاں شروع ہوا اور تیسری صدی ہجری میں ابوجعفر الدیبلی نے ''مکاتیب النبیؐ'' تحریر کیا جس کا واحد نسخہ مراکش میں موجود ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک نومسلم راجا السندھی (۸۷۳ء) کا نام آتا ہے جنہیں اُن کی کاوشوں کے سبب بزرگوں نے ارکان الحدیث کہا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ مستحکم ہوتا رہا یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری میں امام حسن صغانی لاہوری (۱۲۵۲ء) نے ''مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ'' تحریر کی جو بخاری ومسلم سے منتخب احادیث کا مجموعہ ہے اور ہندوستان میں تحریر شدہ تمام کتب احادیث میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''بزم مملوکیہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں عرصہ دراز تک بس یہی ایک کتاب رائج رہی۔ اس کتاب کی ڈھائی ہزار سے زائد شروح وحواشی تحریر کی گئی ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں کشمیر میں امیر کبیر سید علی ہمدانی (۱۳۸۵ء) نے ''مجمع الاحادیث''، ''سبعین فی فضائل امیر المومنین''، اور ''اربعین'' تحریر کی۔ اسی عہد میں بہت مشہور بزرگ اور مصنف حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۱۳۲۱ء) نے متعلقہ موضوعات پر تقریباً ایک سو پانچ تصانیف تحریر کر دیں جن میں ''شرح مشارق الانوار''، ترجمہ مشارق الانوار''، ''کتاب الاربعین''، اور ''رسالہ سیرت النبیؐ'' وغیرہ کافی اہم تصانیف ہیں۔ اسی صدی میں حضرت نور قطب عالم (۱۴۱۵ء) نے ''انیس الغرباء'' تحریر کی جس میں رسول اکرم ﷺ کی بعض احادیث کی تشریح صوفیانہ رنگ میں کی گئی ہے۔ دسویں صدی ہجری میں یہاں بنگلہ زبان میں سیرت طیبہ پر کتب تحریر کرنے کے سلسلہ میں سب سے پہلے ابوبکر بن محمد بہروچی (۱۵۰۵ء) کا نام آتا ہے جنہوں نے سیرت رسولؐ سے متعلق ''حصن حصین'' کا ترجمہ مع تشریح مکمل کیا۔ ۱۵۸۲ء میں مغل بادشاہ اکبر کے درباری حضرت مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (۱۵۸۲ء) نے سیرت رسولؐ پر ''شرح علی شمائل النبیؐ'' تحریر کیا۔ حاجی محمد کاشمیری (۱۵۹۷ء) نے امام ترمذی کی ''شمائل النبی'' کی شرح فارسی زبان میں لکھی۔ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن فضل اللہ (۱۶۲۰ء) نے ''التحفۃ المرسلہ الی النبیؐ'' تحریر کی جو سیرت نگاری میں ایک شاہکار تصنیف تسلیم کی جاتی ہے۔ اسی عہد میں مشہور بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۶۲۴ء) نے سیرت رسولؐ پر ''اثبات النبوۃ'' اور ''تہلیلیہ'' نامی دو رسائل تحریر کئے جس میں آپ ﷺ کی نبوت اور معجزات کے پیش نظر کلمہ طیبہ کی تشریح تصوف کے رنگ میں کیا۔ گیارہویں صدی ہجری میں سیرت نگاری پر سب سے اہم کتاب مشہور محدث اور جید عالم دین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

(۱۶۴۲ء) نے فارسی زبان میں تحریر کی۔اس شہرہ آفاق کتاب کا نام ''مدارج النبوۃ'' ہے جو بارہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ چنانچہ اس موضوع پر سب سے پہلے جو اہم اور مبسوط کتاب فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی وہ یہی ''مدارج النبوۃ'' ہے۔پھر ایک اور اہم کام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۵۴ء) کا فارسی زبان میں تحریر کردہ ایک رسالہ ''سرور المحزون'' ہے جس کا اُردو ترجمہ محمد عبدالرزاق نے ''گوہر مخزون'' اور عزیز ملک نے ''سید المرسلین'' نام سے کیا۔اسلامی تاریخ نے اس ضمن میں تیرہویں صدی ہجری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کاوشوں کو بھی بڑا سراہا ہے جنہوں نے شمس الدین صالحی کی تصنیف ''سبل الہدیٰ والرشاد'' کا فارسی ترجمہ ''اللباب'' پیش کیا تھا۔ اس طرح اب اُردو زبان وادب میں بھی ترجمہ کی بدولت سیرت نگاری کے لئے زمین مکمل طور پر ہموار ہو چکی تھی۔

اُردو زبان میں سیرت نگاری کی ابتدا ترجمہ سے ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔اُردو زبان کے سیرت نگاروں کے سامنے وہ سنہرا موقع موجود تھا کہ وہ ابھی تک کے بیان شدہ تقریباً تمام مراجع ومصادر اور نوع بنوع مستند ماخذ سے واقف تھے۔ادھر مغلیہ دور کے زوال میں اُردو زبان اپنے ارتقائی مراحل سے گذر رہی تھی چنانچہ اس دور میں دکن میں فقہ وعقائد کے ساتھ ساتھ سیرت النبیؐ پر بھی کتابیں تحریر کرنے کا آغاز ہوا۔محمد باقر آگاہ (۱۸۰۵ء)، مولانا محمد غوث (۱۸۲۳ء) اور قاضی بدرالدولہ (۱۸۶۳ء) وغیرہ وہ قابل قدر اور قابل ذکر سیرت نگار ہیں جنہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اور سیرت رسولؐ پر اُردو کی ترقی پذیر شکل میں کتابیں لکھنے کی شروعات کی۔محمد باقر آگاہ نے سیرت رسولؐ پر ''ریاض السیر'' اور قاضی بدرالدولہ نے ''فوائد بدریہ'' لکھی۔

اب اُردو زبان بہت حد تک نکھر چلی تھی اور منظم بھی ہونے لگی تھی، لہٰذا اب جو سیرت رسولؐ پر کتب تحریر کی جارہی تھیں اُن میں محمد مسلم (۱۸۸۱ء) کی ''گلزار محمدیؐ'' سید اوصاف علی ۱۸۸۲ء) کی ''اوصاف محمدیؐ'' اور سراج الیقین (۱۸۸۷ء) کی ''تواریخ احمدیؐ'' اور محمد شاہ خان (۱۸۹۸ء) کی ''سوانح عمری محمدؐ'' وغیرہ نہایت اہم تصانیف ہیں۔سیرت پر ان کتب کے علاوہ اُردو زبان میں اولین سیرت نگاری کے ضمن میں چند بہت اہم کتب کا بیان بھی تاریخ اسلام میں ملتا ہے جیسے عنایت احمد کاکوروی (۱۸۵۸ء) کی ''تواریخ حبیب الہؐ'' محمد ابراہیم ضیاء (۱۸۶۳ء) کی ''ضیائے نبوت'' محمد جان (۱۸۷۲ء) کی ''اسرار احمدی'' حکیم وکیل احمد سکندر پوری (۱۸۷۶ء) کی ''انوار احمدیہ'' غلام سرور لاہوری (۱۸۸۱ء) کی تحفۂ سروری'' حسن علی (۱۸۸۳ء) کی ''سیرت نبوی'' وغیرہ ہے، اس عہد میں ایک کام مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی سیرت پر وہ گیارہ کتب و رسائل بھی ہیں جو رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ بالخصوص آپؐ کے بارے میں علمی مباحث سے متعلق ہیں۔جنہیں انہوں نے ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۷ء تک کی درمیانی مدت میں تحریر کیں۔اُن گیارہ کتابوں میں چند کے نام اس طرح ہیں: ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلینؐ''، ''اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامۃ''، ''سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' اور ''اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین'' وغیرہ۔اسی دور میں مغربی سیرت نگاروں کی کتب

کے اُردو تراجم بھی منظر عام پر آنے لگے۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اُنیسویں صدی کی ابتدا سے بیسویں صدی کی ابتدا تک کے اُن مغربی سیرت نگاروں کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے حالات زندگی اور اسلام کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، یہ مستشرقین کہلاتے ہیں، اُن میں چند اہم نام اس طرح ہیں: سر ولیم میور، ڈاکٹر اسپرنگر، میجر لیونارڈ، ویل ہاسن، ایڈورڈ لین اور بارسورتھ اسمتھ وغیرہ۔ کچھ مغربی سیرت نگاروں نے حق وصداقت کا ساتھ دیتے ہوئے آپ ﷺ کی حمایت میں لکھا ہے، مستشرقین کی ان کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔ ان میں زیادہ تر سیرت نگاری کے تراجم کا مقصد یہ تھا کہ مغربی سیرت نگاروں کے اُن بے بنیاد اعتراضات کا جواب دیا جاسکے جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر، وہ اکثر وبیشتر لگاتے رہتے تھے۔ مثلاً سرسید احمد خان نے اُردو میں ''خطبات احمدیہ''، ولیم میور کی سیرت رسولؐ پر لکھی ہوئی مشہور انگریزی کتاب کے جواب میں تحریر کی۔

اسی دور میں عربی اور فارسی زبان سے بھی اُردو زبان میں بذریعہ تراجم سیرت پر کتب تحریر کی گئیں۔ مثلاً محمد بن عمر واقدی کی ''المغازی'' کا اُردو ترجمہ ''مولوی بشارت علی خاں نے ''مغازی الصادقہ'' کے نام سے کیا۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے حافظ ابن قیم جوزی کی ''زاد المعاد'' کا اُردو ترجمہ کیا۔ خواجہ عبدالحمید نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ''مدارج النبوۃ'' کا اُردو ترجمہ ''منہاج النبوۃ'' کے نام سے کیا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں معیاری اور اعلیٰ قسم کے تراجم منظر عام پر آئے اور اس طرح سیرت رسول اکرمؐ پر بذریعہ تراجم فن سیرت نگاری کا مقام کافی بلند اور معیاری ہوگیا۔ چنانچہ اس دور کے جن اہم اور نمائندہ سیرت نگاروں نے جو معیاری کتب بذریعہ اُردو تراجم تحریر کئے وہ اس طرح ہیں: مولوی ان شاء اللہ خاں (۱۹۱۴ء) نے ''سیرۃ ابن ہشام'' کا مختصر ترجمہ ''سیرت الرسولؐ'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کیا۔ ''سیرت ابن ہشام'' کا ایک اور ترجمہ حضرت قطب الدین احمد محمودی حیدرآبادی نے دو جلدوں میں کیا۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی (۱۹۲۱ء) کی تصنیف ''الانوار المحمدیہؐ'' اور ''مواہب لدنیہ'' کا ترجمہ مولانا عبدالجبار خاں آصفی (۱۹۲۳ء) نے کیا۔ ابو یحییٰ محمد امام خاں نوشہروی (متوفی ۱۹۶۶ء) نے محمد حسین ہیکل کی کتاب ''حیاۃ محمدؐ'' کا ترجمہ کیا۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے ابن قیم کی ''اُسوہ حسنہ'' کا مختصراً ترجمہ کیا۔ حضرت سید محمد ابراہیم ندوی (۱۹۲۶ء) نے ''تاریخ طبری'' کا ترجمہ کیا جو دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن سے شائع ہوا اور عبداللہ العمادی (۱۹۴۴ء) نے ''طبقات ابن سعد'' کا ترجمہ کیا۔

چنانچہ بیسویں صدی کے نصف اول میں اُردو میں فن سیرت نگاری کے تحت ایک اہم باب کا اضافہ ہوا۔ پھر تو غیر مسلم مصنفین نے بھی اس جانب رجوع کیا اور سیرت رسول اکرم ﷺ پر قلم اٹھایا۔ اُن سیرت نگاروں کی فہرست میں بھی مغربی سیرت نگاروں کی طرح ایک طرف تو وہ ارباب قلم شامل ہیں جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر بے بنیاد الزامات عائد کئے اور غیر مہذب اور ناشائستہ زبان کا استعمال کیا۔ مثلاً ناشر راجپال (۱۹۲۴ء) کی ''رنگیلا رسول'' اور پادری عماد الدین پانی پتی

(۱۸۷۰ء) کی ''تواریخ احمدی'' مگر اہل خرد کے لئے خوشی کا مقام یہ ہے کہ اُن غیر مسلم سیرت نگاروں کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے سیرت رسولؐ پر حق وصداقت پر مبنی کتب تحریر کیں جیسے شردھے پرکاش جی (۱۹۰۷ء) کی ''حضرت محمد صاحب ــــ بانی اسلام''، جی ایس دارا (۱۹۲۴ء) کی ''رسول عربیؐ''، سوامی لکشمن پرشاد (۱۹۳۴ء) کی ''عرب کا چاند''، پنڈت سندر لال کی ''حضرت محمدؐ اور اسلام''، بابو کنج لال کی ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام''، رگھوناتھ سہائے کی ''پیغمبر اسلامؐ'' گوبند رام سیٹھی (۱۹۴۳ء) کی ''چار مینار'' اور پروفیسر لاجپت رائے نیر کی ''حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری'' وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں بیسویں صدی کا نصف اول اُردو میں سیرت نگاری کا عہد زریں ہے۔ مرزا حیرت دہلوی (۱۸۹۵ء) نے ''سیرت محمدیہ'' تحریر کی جو عہد سرسید کے مناظرانہ رجحان کی معتبر نمائندہ ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۹۳۰ء) کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبدالرؤف داناپوری کی اصح السیر بہت مشہور ہوئی، عصر حاضر یعنی بیسویں صدی کے نصف اول کے بعد کے دور میں ہندوستان میں فن سیرت نگاری عروج پہ پہنچ گئی۔ مشہور عالم دین اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۹۰۱ء تا ۱۹۷۴ء) نے چار جلدوں میں ''سیرت المصطفیٰ'' تحریر کی۔ عطاءاللہ ٹونکوی (۱۹۴۸ء) نے ''سیرت فخر دو عالم'' غلام احمد پرویز (۱۹۴۹ء) نے ''معراج انسانیت'' تحریر کی اسی طرح اسی دور میں عزیز الدین احمد قادری نے ''آئینہ خلق محمدی''، حسام الدین غوری نے ''آنحضرتؐ اور جوانی''، مفتی محمد شفیع نے ''آداب النبیؐ''، سیماب اکبر آبادی نے ''سیرت النبیؐ''، ماہر القادری نے ''درِ یتیمؐ'' اور رئیس جعفر آبادی نے ''رسالت مآب ﷺ'' خالد علوی نے ''انسان کامل''، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے ''پیغمبر اعظمؐ'' اور پیر کرم شاہ الازہری نے سات جلدوں میں ''ضیاء النبیؐ'' تحریر کیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء) اور سید سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴ء تا ۱۹۵۳ء) کی مشترکہ تصنیف ''سیرۃ النبیؐ'' ہے۔ پہلی دو جلدیں مولانا شبلی نعمانیؒ نے تحریر کیں اور باقی پانچ جلدیں ان کے لائق وفائق شاگرد عزیز سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاد گرامی کی وفات کے بعد تحریر کیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۹۱۲ء) نے ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ'' مستند احادیث کی روشنی میں تحریر کیا۔ سید سلیمان ندویؒ نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی پانچ جلدوں کے علاوہ بچوں کے لئے ''رحمت عالمؐ'' تحریر کیا۔ اس کے علاوہ ''خطبات مدراس'' تحریر کی جسے کافی شہرت نصیب ہوئی۔ سید مناظر احسن گیلانیؒ (۱۹۶۳ء) نے ''النبی الخاتم'' تحریر کیا۔ یہ النبی الخاتم دراصل ایک طویل مقالہ ہے جس نے تصنیف کی شکل اختیار کرلی۔

اُردو زبان وادب میں سیرت رسول اکرمؐ پر ان اہم تصانیف کے علاوہ اس عہد زریں میں جو قابل قدر تصنیف تحریر کی گئیں ان کی فہرست یقیناً طویل ہے مگر چند اہم اور شہرہ آفاق تصانیف اس طرح ہیں: عبدالحلیم شرر کی ''جویائے حق'' اور ''سوانح خاتم المرسلین''، نور بخش توکلی کی ''غزوات النبیؐ''، مولوی ثناءاللہ امرتسری کی ''محمدؐ رشی''، انتظام اللہ شہابی کی ''داعی اسلام''، سید اولاد حیدر فوق بالگرامی کی پانچ جلدوں میں تحریر کی گئی ''اُسوہ رسولؐ''، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی''، خواجہ حسن نظامی کی

''رسولؐ بیتیؑ''اور''سیرت النبیؐ''۔ان اُردو تصانیف کے علاوہ فضل اللہ خاں شاہجہاں پوری کی''دربار رسالت''ڈاکٹر حمید اللہ کی ''عہد نبویؐ کا نظام تعلیم''اور حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی''بلاغ المبین''وغیرہ اُردو تصانیف بھی اسی دور زریں کی اہم سیرت نگاری تسلیم کی گئی ہیں۔ان تصانیف کی وجہ سے اُردو میں فن سیرت نگاری کا مقام بلند ہوا۔اسی خوشنما دور میں اہل تشیع کے ارباب قلم نے بھی اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور اُردو میں سیرت طیبہ پر قابل قدر کتب تحریر کر اس سرمایہ میں بیش قیمت اثاثہ کا اضافہ کر دیا۔چنانچہ ''سید علی نقوی کی''رسول خدا''اور حاجی نور حسین صابر جھنگ سیالوی کی''سوانح عمری حضرت رسول مقبولؐ''اپنے وقیع اور جامعیت کے اعتبار سے شیعہ مسلک کی عمدہ نمائندگی کرتی ہیں۔غرض دنیا میں سب سے زیادہ جس عظیم شخصیت پر کتب تحریر کی گئی ہیں وہ شخصیت آنحضرتؐ کی ہے۔آج نہ صرف ہندوستان میں اور نہ صرف اُردو زبان میں سیرت طیبہ پر کتب تحریر کی جارہی ہیں بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں اور دنیا کی ہر زبان میں مذہب وملت کی تفریق کے بغیر ہر مکتب فکر کے مصنفین کے قلم سے بے شمار کتب تحریر کی جارہی ہیں۔غرض عصر حاضر میں بھی سیرت نگاری اسی آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔عصر حاضر کی عربی سیرت نگاری میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی''علی ہامش السیرۃ''،محمود عقاد کی''عبقریۃ محمدؐ''اور سید حسنین کی''سیرۃ محمدؐ''سیرت رسول اکرمؐ پر گرانقدر کتب تسلیم کی جاتی ہیں۔ہندوستان میں عصر حاضر میں اُردو میں سیرت طیبہ پر جتنی بھی کتب تحریر کی گئیں اُن میں معیار وضخامت،حسن اسلوب اور تاثرات کے ساتھ ساتھ واقعات کی ترتیب اور جزئیات کی تفصیلات کے نقطہ نظر سے مولانا شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مشترکہ کوشش''سیرت النبیؐ''،مولانا ادریس کاندھلویؒ کی''سیرت المصطفیٰؐ''اور پیر کرم شاہ الازہری صاحب کی''ضیاء النبیؐ''نہایت ہی جامع کتب ہیں۔

سیرت نگاری ہی کی ایک اہم قسم''میلاد نامہ''بھی ہے۔بلاد عربیہ میں میلاد کے بیان کو مولد،موالید یا مولود پڑھنا کہتے ہیں۔اسی کو اُردو میں''میلاد نامہ''کہتے ہیں۔عرب ممالک میں سرکار دو عالم ﷺ کی میلاد کو موضوع بنا کر بہت سارے ائمہ ومحدثین اور علماء ربانیین مثلاً علامہ سخاوی،ابن حجر عسقلانی،ملا علی قاری اور دیگر جلیل القدر علمائے کرام کی بہت ساری تصانیف منظر عام پر آئیں۔''عید میلاد النبی ﷺ کتاب وسنت اور علمائے سلف کے اقوال وآثار کی روشنی میں''کے عنوان پر سہ ماہی مجلہ ''المجیب''میں ایک قسط وار جامع اور مبسوط مضمون جناب حضور زیب سجادۂ مجیبی حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے قلم سے شائع ہورہا ہے،جس میں صاحب مضمون نے میلاد النبی ﷺ کی فضلیت واہمیت پر نہایت مستند ومعتبر تحقیق پیش کی ہے اور اس موضوع پر لکھی جانے والی کثیر کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں،مثلاً امام جلال الدین سیوطیؒ کی''حسن المقصد فی عمل المولد''،شیخ تاج الدین اللخمی فاکہانی کی''المورد فی الکلام علی عمل المولد''،امام ابو عبد اللہ ابن الحاج کی''المدخل''،حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی کی''الرائق فی مولد خیر الخلائق''اور''جامع الآثار فی مولد المختار''،ابو بکر محمد حبشی بسطامی کی''الکواکب الدریۃ فی مولد خیر البریۃ''،شیخ ابو القاسم محمد بن عثمان دمشقی کی''الدر المنظم فی مولد النبی المعظم''اور شیخ ابو الخطاب کی''التنویر مولد السراج المنیر''وغیرہ۔

محبان رسول ﷺ اپنے محبوب کا ذکر جمیل ہزار ہا طریقوں سے کیا کرتے ہیں، اُن میں سے ایک اہم اور معروف طریقہ یہ ہے کہ وہ محفل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر قرون اولی سے چلے آرہے اس پاک و پاکیزہ طریقہ کار میں اہل محبت خداوند قدوس کی حمد وثنا کے بعد اپنے محبوب، اپنے پیغمبر، حضور اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ، فضائل وخصائل، معجزات و کمالات، حسن سراپا، اخلاق حسنہ، ولادت باسعادت اور بعثت کے واقعات بڑے ذوق وشوق اور نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے ہیں۔ یوں تو ذکر مصطفی ﷺ کا ہر گوشہ، گوشۂ مقدس ہے اور اپنے اندر خزانۂ عظمت لئے ہوئے ہے مگر میلاد نامہ میں جن گوشوں کا بطور خاص ذکر ہوتا ہے ان میں تین پہلو نہایت اہم ہیں: اول اہل ایمان اپنے خالق اپنے خدا کے اس عظیم احسان کو یاد کرتے ہیں جو اس رب العزت نے رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی صورت میں ماہ ربیع الاول میں عالم انسانیت کو بطور نعمت عظمیٰ عطا کیا۔ غرض یہاں بندۂ خدا اپنے رب کا شکر بجالاتا ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی میلاد کے صدقہ میں جو عجائبات ظہور پذیر ہوئے، آپؐ کا مقدس بچپن، آپؐ کی پاکیزہ جوانی، حسین خدوخال، سراپائے جمیل اور سیرت مبارکہ کے دیگر پہلوؤں کا والہانہ انداز بیان شامل ہوتا ہے۔ میلاد نامہ میں یہ سارا بیان نہایت فرحت ومسرت کے ساتھ انتہائی دل آویز انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس ذکر جمیل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ میلاد نامہ میں اس نور محمدیؐ کی تخلیق کا احاطہ نہایت دلکش پیرائے میں کیا جاتا ہے جو حضرت آدمؑ سے پاک پشتوں سے منتقل ہوتا ہوا پہلوئے سیدہ آمنہؓ سے ظہور کے مرحلہ تک پہنچتا ہے۔ اس ذکر جمیل کا تیسرا بڑا ہی اہم پہلو تعظیماً کھڑے ہو کر آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا ہے۔ رسول اکرمؐ پر درود وسلام بھیجنا دراصل اہل ایمان اور محبان رسول کے سوز دل کا ترجمان ہے۔ ماہ ربیع الاول میں خصوصیت کے ساتھ ان محافل کا انعقاد ہوتا ہے اور بلاد اسلامیہ میں بالعموم میلاد النبی ﷺ کی تقریبات نہایت عقیدت واحترام اور تزک واحتشام کے ساتھ منائی جاتی ہیں اور ایک جشن کا سا سماں پیدا کر دیتی ہیں۔

ائمہ ومحدثین اور علماء ربانیین اور مصنفین کتب میلاد النبیؐ وہ محبان رسولؐ ہیں جو ذکر مصطفی ﷺ کو سنت الٰہیہ قرار دیتے ہوئے عبادت کا درجہ عطا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تذکار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سنت الٰہیہ ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے بڑی محبت سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک مختلف انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا کیا ہے، مثلاً سورۂ انعام، سورۂ ابراہیم، سورۂ مریم، سورۂ ص اور سورۂ انبیاء وغیرہ میں تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ سورۂ انبیاء تو نفوس مقدسہ کے محبوب تذکروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مقبولان حق کے ذکر جمیل کا سارا سلسلہ محبوبان عالم کے سرتاج، اشرف الانبیاء، شہنشاہ کونین محمد مصطفی ﷺ پر جا کر ختم ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اصل میں یہاں تذکرۂ محبت اپنے معراج اور نقطہ کمال کو پہنچتا ہے کیونکہ آپؐ کے ذکر جمیل کے بعد اس سورت میں کسی اور نبی یا رسول کا ذکر نہیں آیا۔ ذکر مصطفی ﷺ کے بعد جس آیت کریمہ پر یہ سورہ مبارکہ ختم ہوتی ہے، وہ ذکر "ذکر رحمان" ہے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ اب ایک اور سنت الٰہیہ دیکھئے جو میلاد نامہ کے

تیسرے پہلو کو اُجاگر کرتا ہے یعنی سورۂ احزاب کی آیت مبارکہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ میلاد نامہ کبھی مختصر بھی ہوتا ہے اور کبھی طویل بھی، میلاد نامہ کے اسلوب میں بالعموم نثر یا نظم یا نثر ونظم دونوں کے تمام قرینے اور پیرائے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

تاریخی آئینہ میں اُردو میں بھی میلاد نامہ کے متبرک موضوع پر علما ومشائخ کی بہت ساری تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ خانقاہوں سے یا متصوفانہ درسگاہوں سے وابستہ علماء ومشائخ نے اس جانب زیادہ توجہ دی ہے۔ زیب سجادۂ مجیبی جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے مذکورہ مضمون کے مطالعہ سے منکشف ہوا کہ ہندوستان کی مشہور ومعروف خانقاہ، خانقاہ عالم پناہ، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار سے وابستہ صاحبان فہم، اہل محبت، محبان رسولؐ اور اہل حق علماء ومشائخ نے نثر میں اور نثر ونظم میں بھی میلاد نامے تحریر کئے ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ غلام دستگیر پھلواروی ؒ کی ''حدیقۂ میلاد''، حضرت حکیم شاہ محمد شعیب نیر پھلواروی ؒ کی ''انتخاب میلاد''، مولانا حسن میاں پھلواروی ؒ کی ''میلاد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم''، حضرت شمس العلماء مولانا عبدالحیٔ قادری مجیبی ؒ کی ''ظہور رحمۃ للعالمین''، حضرت شاہ محمد قاسم عثمانی فردوسی سملوی ؒ کی ''میلاد رسول باتحفۂ مقبول''، مولانا عبداللہ غلام محمد عباس ؒ کی ''ذکر میلاد'' اور مولانا حافظ تجمل حسین ؒ کی ''ذکر میلاد الملقب بہ مولد ابی القاسم'' وغیرہ۔ معیاری اسلوب اور مواد کے معیار تناظر پر یہ تمام میلاد نامے مکمل نظر آتے ہیں۔ یہاں پر نمونۃً حضرت حکیم شاہ محمد شعیب نیر پھلواروی ؒ کی ''انتخاب میلاد'' سے ایک عبارت پیش خدمت ہے:

> ''اے امت محمد مصطفیٰ واے غلامان احمد مجتبیٰ بگوش ہوش سننا چاہئے کہ مولود شریف کی مجلسوں کا عمل قدیم زمانے سے ہر ایک شہر مسلمانان میں جاری ہے خصوصاً مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں تمام عربستان میں ہزاروں عالم فاضل اور لاکھوں مشائخ اولیاء اللہ کرتے رہے ہیں اور اس ذکر خیر کے جواز پر فتوے دئے اور دے رہے ہیں۔ پس یہ ذکر مبارک بیشک موجب ثواب اور خوشنودی خدا اور رسول ہے۔ اے فدایان روح احمدی! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اپنے مولد کا حال مختصر روبرو اصحاب کرام یوں ارشاد فرمایا ہے کہ میں نزدیک اللہ کے خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور آدم علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں میرے واسطے دعا کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو میرے آنے کی بشارت دی تھی اور میری والدہ نے میری پیدائش کے وقت کئی واقعہ دیکھے تھے۔''

''اُردو زبان میں سیرت نگاری: ایک تحقیق'' سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اُردو زبان میں بھی دیگر زبانوں کی طرح سیرت نگاری جاری رہے گی اور ہر عہد کے لئے امن وعافیت کا ضامن بنی رہے گی۔ اس تحقیق سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ سیرت نگاری کا مقصد صرف خوش عقیدہ ہونا یا باعث افتخار ہونا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس عظیم ترین شخصیت اور بنی نوع انسان کا نجات دہندہ یعنی آپ ﷺ کی حیات پاک کا وہ گوشہ جو ابھی تک پوشیدہ رہ گیا ہے اُسے مستند تحقیق کے ساتھ

قلم بند کیا جا سکے تا کہ آپ ﷺ کی شخصیت کی ہمہ گیریت ہر عہد میں ہر عہد کے نقطہ نظر سے مزید نمایاں ہو سکے۔ اس کے علاوہ اس تحقیق سے سب سے اہم نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہندوستان سمیت دنیا کے تمام خطوں میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود، انسانیت کی بقا اور بامقصد حیات انسانی کے لئے مطالعہ سیرت النبیؐ کی ضرورت ہر زمانہ میں محسوس کی گئی ہے اور ہر زمانہ میں محسوس کی جائے گی۔ اُردو زبان وادب سے بھی وابستہ سیرت نگاروں کے علمی مراتب کو تسلیم کرتے ہوئے اُن کی تمام تخلیقات کے بارے میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ان سیرت نگاروں کی یہ تمام تصانیف ہر عہد کی نئی نسل کے لئے اور ''سیرت النبیؐ'' پر نئی کتب تحریر کرنے والوں کے لئے نہایت ہی معاون و مددگار ہیں۔ آج بھی سیرت طیبہؐ پر اُردو زبان سمیت تقریباً تمام زبانوں میں اور ہندوستان سمیت دنیا کے تقریباً تمام خطوں میں سیرت پر معیاری کتب تحریر کی جارہی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب اللہ رب العزت نے قرآن اور صاحب قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے تو رہتی دنیا تک قرآن موجود ہے اور جب قرآن مجید موجود ہے تو ذکر مصطفی ﷺ بھی رہتی دنیا تک موجود رہے گا۔ چنانچہ میری رائے میں اُردو سمیت ہر زبان میں سلسلہ سیرت نگاری کا جاری و ساری ہونا اور خانقاہوں میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ میلاد نامہ کا مسلسل والہانہ انداز سے پڑھا جانا بھی سیرت نبویہؐ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر ختم ہوئے سلسلۂ نبوت کے تحفظ کا بھی ضامن ہے۔

از برائے غوث اعظم افتخار اولیا ❁ قبلہ اہل طریقت کعبہ اہل صفا
باعث تسکین روح و جان پاک مصطفیٰ ❁ ہم سرور قلب زہرا و علی مرتضیٰ

خالقا آمرزگارا انت تو اب رحیم
جز تو آخر جرمہائے ما کہ بخشد اے کریم

مراجع ومصادر :

(۱) قرآن مجید اور احادیث
(۲) خطبات احمدیہ: سرسید احمد خاں
(۳) خطبات مدراس: سید سلیمان ندویؒ
(۴) سیرۃ النبیؐ: شبلی نعمانیؒ
(۵) سیرۃ المصطفیٰؐ: مولانا محمد ادریس احمد کاندھلویؒ
(۶) رحمۃ للعالمینؐ: قاضی سلیمان منصور پوری
(۷) النبی الخاتمؐ: سید مناظر احسن گیلانی
(۸) اردو نثر میں سیرت رسولؐ: ڈاکٹر خالد محمود انور
(۹) علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ: ڈاکٹر محمد اسحٰق: ترجمہ: شاہد حسن رزاقی
(۱۰) بزم مملوکیہ: شیخ محمد اکرام

(۱۱) سیرت النبیؐ اور سیرت نگار: عین الحق

(۱۲) ضیاء النبیؐ: پیر کرم شاہ الازہری

(۱۳) سوانح خاتم المرسلینؐ: مولانا عبد الحلیم شرر

(۱۴) سیرت المصطفیؐ: عبد المصطفیٰ اعظمی

(۱۵) الرحیق المختوم: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

(۱۶) خلافت وملوکیت اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ: مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری

(۱۷) میلاد النبی ﷺ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(۱۸) المجیب سہ ماہی، پھلواری شریف، پٹنہ (جنوری تا مارچ ۲۰۲۱ء): مدیر ڈاکٹر فتح اللہ قادری

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان — ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے — اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پر خلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں — اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARULESHA'AT" تحریر کریں۔

آخری قسط

مرا چون گذر بر عراق اوفتاد
(سفرنامۂ عراق)

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ــــ ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قارئین کرام! ''المجیب'' کے گذشتہ شماروں میں شائع اس سفرنامے کی پانچ قسطوں میں آپ نے عراق کی اجمالی تاریخ، مختصر جغرافیائی حالات، اس خطے کی صدیوں پر محیط سیاسی نشیب وفراز اور تہذیب وفرہنگ کی داستان، سرخیل اولیاء حضرت سیدنا غوث الثقلین، غوث الاعظم، پیر پیراں، سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوصاحبزادوں کے یہاں حاضری، حجۃ الاسلام امام غزالی، شیخ ابوبکر شبلی، ابوالحسین نوری، امام اعظم ابوحنیفہ، ذوالنون مصری، سری السقطی، سید الطائفہ جنید بغدادی، علامہ آلوسی، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، بہلول دانا، ابراہیم الخواص، سیدنا معروف کرخی، امام احمد بن حنبل، طاہر بن امام باقر، حضرت سلمان فارسی، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنھم کے یہاں حاضری کے علاوہ حاضری کاظمین اور طاق کسریٰ کے خرابے کی روئیداد، سامرا کے سفر، سید محمد بن امام ھادی، امام ھادی، امام حسن عسکری کی بارگاہوں میں حاضری، مالک بن حارث اشتر نخعی، شیخ شہاب الدین سہروردی، صاحبزادگان حضرت مسلم بن عقیل، سید الشہداء امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین وعلی جدہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ میں کربلائے معلی کی حاضری، دیگر شہدائے کربلا اور سیدنا عباس علمبردار کی حاضری، مذبح مقدس اور خیمہ گاہ حسینی و ٹیلۂ زینبیہ، حضرت حر بن یزید ریاحی کے یہاں حاضری، مشہد الشمس کے دیدار، حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ کی حاضری، حضرت سیدنا مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الشریف کے آستانۂ اقدس کی حاضری، حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کے یہاں کی حاضری سے متعلق روئیداد اور حقائق واحوال ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس چھٹی اور آخری قسط میں آگے کی تفصیلات اور وطن عزیز ہندوستان کو مراجعت کے احوال ہدیۂ قارئین ہیں ــــ ادارہ

مسجد کوفہ :

مسجد کوفہ دنیائے اسلام کی بڑی اہم ترین اور مرکزی مساجد میں سے ایک ہے۔ بلکہ عقائد شیعی کے مطابق جہان اسلام

کی چار اہم مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کے بعد فضیلت رکھتی ہے اور شیعہ مسافران اس مسجد میں قصر نہیں پڑھتے بلکہ پوری نماز پڑھتے ہیں۔ شیعی روایت کے اعتبار سے مسجد کوفہ مسجد حرام کے بعد سب سے قدیم مسجد ہے جسے حضرت آدم وحضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے بالترتیب تعمیر کیا۔ لیکن اس مسجد کی تاریخ جو محقق ومتیقن ہے اس کے اعتبار سے ۱۷ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر ہوئی۔ ۱۷ھ میں اسلامی لشکر مدائن میں مقیم تھا۔ مدائن کی آب وہوا ان کے موافق نہ تھی اور منفی اثرات مرتب کر رہی تھی اور وہ بے حد کمزور ونا تواں اور ضعیف ولاغر ہو گئے تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان نے جب یہ صورت حال دیکھی تو خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر ان حالات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضرت عمر نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو خط لکھ کر ہدایت دی کہ حضرت سلمان فارسی اور حضرت حذیفہ کو روانہ کریں تاکہ وہ کوئی مناسب سرزمین عسکر اسلامی کے قیام کے لیے منتخب کریں۔ دونوں حضرات نے سرزمین کوفہ کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص اپنی فوج کے ساتھ کوفہ آئے اور سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ ابو ہیجاء اسدی نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر چاروں سمت میں تیر پھینکے اور جہاں تیر گرے وہی مسجد کی حد مقرر ہوئی۔ ۳۶ھ میں جب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافت بنایا تو اس مسجد کو مرکزیت واہمیت حاصل ہوگئی۔ حضرت علی اس مسجد میں امامت وخطابت فرماتے اور ان کا دار القضاء بھی یہی مسجد تھی۔ اسی مسجد میں ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کی نماز فجر کی امامت کے دوران ابن ملجم نے حضرت علی پر تلوار سے شدید ضرب لگائی جس کے نتیجے میں سر مبارک دو حصوں میں شگافتہ ہوگیا اور خون کا فوارہ بہہ نکلا اور ۲۱ رمضان کو اس ضربت شمشیر کے زخم کاری کے نتیجے میں حضرت علی مرتضی علیہ السلام نے جام شہادت نوش فرمایا۔ وہ محراب جس میں امامت کرتے ہوئے حضرت علی پر یہ جارحانہ حملہ ہوا، جالیوں سے گھیر کر محفوظ کر دی گئی ہے اور زائرین وہاں نفلیں پڑھتے ہیں۔

مسجد کوفہ ۱۱۶۲ مربع میٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے۔ یہ مسجد ۱۱۰×۱۰۲ میٹر طول وعرض رکھتی ہے۔ صحن مسجد کا رقبہ ۵۶۴۲ مربع میٹر ہے جب کہ مسجد کے شبستانوں کا رقبہ ۵۵۲۰ مربع میٹر ہے۔ اس مسجد میں ۱۸۷ ستون اور تیس میٹر کی بلندی والے چار مینار اور داخلے کے پانچ بڑے دروازے ہیں جن کے نام باب الحجہ، باب الشعبان، باب الرحمہ، باب مسلم بن عقیل اور باب ہانی بن عروہ ہیں۔ اور اس مسجد میں متعدد متبرک مقامات کے نشانات محفوظ ہیں جو مقام نبی اللہ نوح علیہ السلام، مقام جبرئیل علیہ السلام، مقام نبی اللہ آدم علیہ السلام، مقام النبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مقام نبی اللہ ابراہیم علیہ السلام، مقام خضر علیہ السلام اور دکۃ القضاء کے حجری کتبوں سے ممتاز ہیں ساتھ ہی یہ ہدایت بھی مندرج ہے کہ کہاں کتنی رکعتیں نفل کی ادا کرنی ہیں۔ مسجد کوفہ کے صحن میں ایک حوض بھی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ تنور ہے جہاں سے طوفان نوح کے موقع پر پانی نکلنا شروع ہوا تھا اور طوفان کا آغاز ہوا تھا۔ مسجد کوفہ کے شمالی حصہ میں حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت ہانی بن عروہ کے مزارات واقع ہیں اور اسی احاطے میں مختار ثقفی کی قبر بھی ہے لیکن وہاں نہیں جا سکے۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ :

حضرت مسلم، حضرت امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور حضرت عقیل بن ابوطالب کے صاحبزادے تھے۔ حضرت مسلم کے والد عقیل، خواجہ ابوطالب کے دوسرے بیٹے تھے اور جناب رسالت مآب ﷺ سے دس برس چھوٹے اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ علیہ السلام سے بیس برس بڑے تھے۔ حضرت عقیل بڑے ادیب وخطیب، حاضر جواب اور علم الانساب کے ماہر تھے۔

حضرت مسلم بن عقیل کی ولادت ایک قیاس کے مطابق ۲۷ھ سے ۳۲ھ کے درمیان ہوئی۔ حضرت مسلم نے اپنے چچا حضرت مولائے کائنات علیہ السلام کی آغوش میں تربیت پائی اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ ۴۰ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد حضرت مسلم اپنے چچازاد بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے زیر سایہ آ گئے۔ اسی زمانے میں حضرت مسلم کا عقد، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت رقیہ کے ساتھ ہوا۔ ۵۰ھ میں حضرت امام حسن کی شہادت کے بعد حضرت مسلم، حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاص عزیزوں میں رہے اور معتمد خاص تھے۔

جب یزید نے ۶۰ھ میں حکومت سنبھالی اور بیعت کے لیے امام حسین علیہ السلام پر دباؤ بنایا تو حضرت امام نے انکار کر دیا اور دو دنوں کے بعد مدینہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اسی درمیان اہل کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور نہایت اصرار کے ساتھ خطوط لکھے۔ چنانچہ حضرت امام نے اہل کوفہ کے شدید اصرار کے پیش نظر حضرت مسلم بن عقیل کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے مکہ سے کوفہ روانہ کیا۔ جناب مسلم ۱۵ رمضان ۶۰ھ کو مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر اپنے اعزہ واقربا سے رخصت ہوئے۔ قبیلہ قیس کے دو آدمیوں کو راستے کی نشاندہی کے لیے ساتھ لیا اور کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت مسلم کے دونوں راہبر راستے میں شاہراہ سے بھٹک گئے اور پانی نہ ملنے کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ جناب مسلم بہ دقت تمام راستہ تلاش کر کے شاہراہ پر پہنچے اور راستے سے احوال حضرت امام حسین کو لکھ بھیجے۔ حضرت امام نے سفر جاری رکھنے کی ہدایت دی۔ چنانچہ جناب مسلم ۵ رشوال ۶۰ھ کو کوفہ پہنچے اور مختار ثقفی کے گھر اترے۔ اہل کوفہ نے جب جناب مسلم کی آمد کی خبر پائی تو گروہ در گروہ حاضر ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے جناب مسلم کی بیعت کی۔ چند دنوں میں اہل کوفہ کا ایک بڑا طبقہ حلقۂ اطاعت میں آ گیا۔ حضرت مسلم نے کوفہ کے حالات دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر وہاں کے احوال پر آگاہ کیا اور کوفہ آنے کے لیے درخواست کی۔ اسی بیچ یزید نے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبداللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر مقرر کر دیا اور اسے ہدایت دی کہ کوفہ پہنچ کر جناب مسلم کی سرکوبی کرے۔ چنانچہ ابن زیاد فوراً کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کو ڈرایا دھمکایا۔ نتیجتاً اہل کوفہ حضرت مسلم سے منحرف ہو گئے۔ حالات کی تبدیلی دیکھ کر حضرت مسلم، ہانی بن عروہ کے گھر میں روپوش ہو گئے اور اس بات پر متاسف تھے کہ کیوں حضرت امام حسین کو خط لکھ کر کوفہ بلایا۔ ابن زیاد نے کوفہ پہنچ کر اپنے جاسوس حضرت مسلم کا سراغ

پانے کے لیے لگا دیئے جو بہت شدومد کے ساتھ حضرت مسلم کی تلاش میں لگ گئے۔ چنانچہ حضرت مسلم نے اب ہانی بن عروہ کے گھر میں قیام مناسب نہ سمجھا۔ اسی درمیان ایک دن ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو دربار میں طلب کر کے مسلم بن عقیل کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ہانی نے انکار کیا تو ان پر سختیاں کی گئیں اور انھیں قید میں ڈال دیا۔ حضرت مسلم نے ایک جمعیت اکٹھا کر ہانی کو چھڑانے کے لیے پیش قدمی کی۔ ابن زیاد قلعہ بند ہوگیا اور اپنے امراء کو حکم دیا کہ دارالامارۃ کی چھت پر جا کر جناب مسلم کے ساتھ کی جمعیت کو ڈرائیں دھمکائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ کر لوگ چلے گئے۔ جناب مسلم جب نماز مغرب کے لیے مسجد گئے تو صرف تیس آدمی ان کے ساتھ تھے لیکن حکومت کے سپاہیوں نے انھیں بھی منتشر کر دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مسلم مسجد سے باہر نکلے تو کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ حضرت مسلم نے گلیوں میں پھرتے پھراتے طوعہ نامی ایک خاتون کے دروازے پر پہنچ کر پانی طلب کیا۔ اس عورت نے پانی پلایا اور جب استفسار کے بعد اسے معلوم ہوا کہ یہ حضرت مسلم ہیں تو انھیں اپنے گھر میں مہمان ٹھہرایا۔ رات کو جب اس عورت کا بیٹا آیا تو اسے حضرت مسلم کے اپنے یہاں مہمان ہونے کی خبر ملی۔ دوسرے دن صبح کو اس نے ابن زیاد کو اس کی خبر پہنچادی۔ چنانچہ ابن زیاد کے سپاہی انھیں گرفتار کرنے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ حضرت مسلم نے نہایت جوانمردی کے ساتھ مقابلہ و مدافعت کی۔ بالآخر زخموں سے چور ہو گئے اور گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ مسلم کو دارالامارۃ کی چھت پر لے جاؤ اور سر قلم کر کے جسم کے ساتھ نیچے پھینک دو۔ حضرت مسلم نہایت متانت و سکون کے ساتھ چھت پر پہنچے جہاں بکیر بن حمران یا احمر بن بکیر نے سر قلم کر کے جسم کے ساتھ نیچے گرادیا۔ حضرت مسلم کی شہادت کا یہ واقعہ ذی الحجہ ۶۰ھ میں پیش آیا۔ ابن زیاد نے حضرت مسلم کا سر یزید کے پاس روانہ کر دیا جسے پا کر وہ بہت خوش ہوا اور حضرت امام حسین کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرنے کا حکم دیا۔ حضرت مسلم بن عقیل کا مزار مسجد کوفہ کے مشرقی حصہ میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ:

جناب ہانی بن عروہ خاندان بنو مراد کے ایک نامور سردار تھے۔ ان کا شمار ممتاز قراء میں ہوتا تھا۔ وہ علویوں کے وفادار سپاہی تھے۔ جب ابن زیاد کوفہ کی امارت پر مامور ہوا اور حضرت مسلم بن عقیل کی بڑھتی ہوئی قوت اور ہر دل عزیزی کے خلاف محاذ آرائی پر متعین ہوا تو حضرت مسلم نے مختار ثقفی کے یہاں کا قیام ترک کر کے جناب ہانی بن عروہ کے گھر پر قیام کیا۔ ابن زیاد کو جب حضرت مسلم کے ہانی کے یہاں قیام پذیر ہونے کی اطلاع ہوئی تو دربار میں طلب کر کے مسلم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب ہانی نے انکار کر دیا تو انھیں قید میں ڈال دیا۔ پھر ذی الحجہ ۶۰ھ میں حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ ہانی بن عروہ کو بھی شہید کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جناب ہانی بن عروہ کا مزار بھی مسجد کوفہ کے شمالی حصے میں حضرت مسلم بن عقیل کے مرقد کے سامنے واقع ہے۔

مسجد کوفہ کے مقامات زیارت کی حاضری کے بعد وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر واقع حضرت سیدنا علی مرتضی علیہ السلام سے منسوب گھر کی زیارت کرنے کے لیے ہم لوگ چلے آئے۔

بیت علیؑ :

بیت علی کے نام سے معروف یہ پختہ عمارت مسجد کوفہ سے ساٹھ ستر قدم کے فاصلے پر ہے۔عمارت کے وسط میں صدر دروازہ ہے جس کے اوپر نہایت جلی حروف میں ''السلام علیك یا امیر ا لمومنین'' لکھا ہوا ہے اور نہایت خوبصورت کاشی کاری سے یہ صدر دروازہ مزین ہے اور صدر دروازے کے اوپر کے تین طرف نیلے ایرانی طرز کے پتھر پر نہایت خوبصورت خط میں ''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ .....الآیہ'' یعنی سورۃ دہر یا سورۃ الانسان مکمل مع تسمیہ کندہ ہے۔عمارت کے بائیں طرف سامنے والی دیوار پر چھت سے متصل سورۃ الفرقان کی دو آیات ''وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ ''جب کہ دائیں طرف سورۃ المومنون کی آیات ''اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۚ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً '' نیلے ایرانی طرز کے پتھر پر دلکش خط میں کندہ ہیں۔عمارت کے اوپر سبز رنگ کا گنبد بھی ہے اور وسیع وعریض بیرونی پختہ صحن میں جابجا کھجور کے درخت، زائرین کے آرام کے لیے سایہ دار جگہیں اور پانی کا انتظام ہے۔داخلی صدر دروازے سے داخل ہونے پر دائیں جانب کا حصہ مکان مردوں کی زیارت اور بائیں طرف کا حصہ مکان مستورات کی زیارت کے لیے مخصوص ہے۔داہنی طرف چھت دار گذرگاہ سے گذرتے ہوئے ہم لوگ پہلے ''بئر علی'' کے پاس پہنچے۔یہ کنواں غالباً افراد خانہ کے استعمال کے لیے تھا اور وہاں ''بئر علی'' اور ''چاہ علی'' کے بورڈ لگے ہوئے ہیں۔یہ کنواں چھت تک بلند سنہری جالیوں سے بند ہے اور پانی نظر نہیں آتا۔البتہ اس کنوئیں سے موٹر کے ذریعہ پانی گھر کے باہر زائرین کے تبرکاً استعمال کے لیے مہیا ہے۔کنوئیں والے حصے سے آگے بڑھنے پر ''بیت العائلة'' کا بورڈ ملا اور اس حصے میں کئی کمرے بنے ہوئے ہیں۔دروازے صرف محراب کی شکل میں ہیں۔ایک کمرے میں نوافل پڑھنے کا انتظام ہے۔پورے گھر میں ہر جگہ قالین بچھی ہوئی ہیں اور کمروں کا رقبہ اوسط ہے۔عمارت میں داخلے کے صدر دروازے کے پاس ہی دائیں طرف ایک کمرہ ہے جس پر ''مغتسل الامام علی علیه ا لسلام'' اور ''غسل حضرت علی علیہ السلام'' کا بورڈ لگا ہے۔بتایا جاتا ہے کہ اسی کمرے میں شہادت کے بعد حضرت مولائے کائنات کو غسل دیا گیا تھا۔وہ حصہ جہاں غسل دیا گیا تھا چوبی جالیوں سے گھرا ہوا ہے اور اوپر کے حصہ چھت پر تابوت قبر کا نقشہ بنا ہوا ہے۔زائرین اس حجرے میں بھی نوافل پڑھتے ہیں جس کے لیے جگہ بنی ہوئی ہے۔اس امر کی تحقیق نہیں ہوسکی کہ حضرت مولائے کائنات علیہ السلام سے منسوب یہ گھر خود

ان کی ملکیت تھا اور ان کے ذریعہ بنوایا گیا تھا یا حکومت کی طرف سے مہیا کرایا گیا تھا۔ جنگ جمل کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ تشریف لائے اور کوفہ کو اپنا دارالخلافت بنایا تو بجائے قصر دارالامارت میں قیام پذیر ہونے کے اپنے بھانجے حضرت ام ہانی کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کے گھر پر ٹھہرے۔ ۳۶ھ سے ۴۰ھ یعنی محض چار سال چند ماہ کی مدت خلافت میں مملکت اسلامیہ کے انتظامات وانصرام، معرکہ آرائیوں، فتنہ خوارج کی سرکوبیوں وغیرہ کی بے پناہ مشغولیتوں کے ساتھ کیا خود حضرت مولائے کائنات کا اپنے افراد خانہ کے قیام کے لیے گھر بنوانا ممکن ہوسکتا تھا، یہ سوال معلق ہے۔ شیعہ علماء بھی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس مدت قیام کوفہ میں حضرت علی کہیں نہ کہیں تو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اقامت گزیں رہے ہوں گے لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ دارالامارت میں قیام پذیر تھے یا اس کے باہر۔ البتہ کوفہ آنے کے بعد جعدہ بن ہبیرہ کے یہاں قیام کی بھی ایک روایت ملتی ہے۔ ممکن ہے کہ ''بیت علی'' سے مشہور یہ عمارت وہی حضرت جعدہ کا گھر ہو۔ بہر حال وثوق کے ساتھ اس بابت کچھ کہہ پانا ممکن نہیں ہے۔

حضرت مولائے کائنات علی مرتضی علیہ السلام سے منسوب اس گھر کی زیارت کے بعد ہم لوگ میثم تمار کے مقبرے پر فاتحہ خوانی کے لیے چل پڑے جو ''خانۂ علی'' سے تقریباً دوسو قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت میثم تمار رضی اللہ عنہ:

حضرت میثم بن یحییٰ تمار، حضرت مولائے کائنات علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ جناب میثم جو یحییٰ کے فرزند تھے عراق وایران کے درمیان واقع نہروان کے باشندے تھے اور قبیلۂ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں میثم تمار کو صحابی رسول میں شمار کیا ہے۔ لیکن میثم تمار کی ابتدائی زندگی کے احوال معلوم نہیں ہیں۔ میثم اہل بیت کے دلدادہ وشیدا تھے۔ میثم کی ملاقات حضرت علی سے ان کے عہد خلافت میں ہوئی اور ان ہی دنوں میں حضرت علی نے میثم کو ان کے مالک سے خرید کر آزاد کیا۔ حضرت علی سے ملاقات میثم کے لیے خوش بختی و سعادت مندی تھی، چنانچہ میثم نے اپنے آپ کو حضرت مولائے کائنات کی خدمت میں پوری طرح وقف کر دیا اور حضرت مولائے کائنات نے میثم تمار کی روحانی استعداد کا مشاہدہ فرمانے کے بعد انھیں اپنے فیضان سے خوب خوب سرفراز فرمایا۔ میثم، کوفہ میں کھجوروں کی تجارت کرتے تھے اسی لیے تمار کے لقب سے شہرت پائی۔

حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت میثم کو اپنا راز دار بنایا تھا اور ان کی شہادت کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی۔ ۶۰ھ کے حج میں شرکت اور حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کے لیے حضرت میثم نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور حج کے ارکان ادا کیے۔ پھر مدینہ منورہ گئے۔ حضرت امام عالی مقام چونکہ حج سے قبل ہی اپنے قافلے کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے اس لیے میثم سے ملاقات نہ ہوسکی۔ انھوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ سے ملاقات کی اور حضرت امام کے بارے میں تفتیش

کی تو ان کے سفر کربلا پر روانہ ہونے کی خبر ملی۔ چنانچہ حضرت میثم نے کہا کہ ان سے سلام کہیئے گا اب ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور ملاقات ہوگی۔ پھر میثم مدینہ منورہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد نے میثم کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا تھا اور عریف کو سو سواروں کے ساتھ اس کے لیے مامور کر دیا تھا کہ حضرت میثم کے کوفہ پہنچنے سے پہلے انھیں گرفتار کر لیا جائے۔ کوفہ کے حالات ابن زیاد کی ماموریت اور حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کے بعد بہت بدل چکے تھے۔ بہر حال عریف اپنے سواروں کے ساتھ حیرہ کے مقام پر میثم کا منتظر تھا۔ جیسے ہی میثم وہاں پہنچے انھیں گرفتار کر لیا گیا اور پابہ زنجیر ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ ابن زیاد نے میثم سے حضرت علی مرتضیٰ کی ہجو گوئی اور سب وشتم کا حکم دیا بصورت دیگر ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دینے کا خوف دلایا۔ حضرت میثم نے ابن زیاد سے کہا کہ حضرت علی نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرے ساتھ اسی طرح سے سلوک کرے گا اور حضرت علی کی شان میں گستاخی سے انکار کر دیا اور حضرت علی کے مناقب وفضائل بیان کرنے لگے۔ ابن زیاد نے برافروختہ ہو کر میثم کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ کر سولی پر چڑھا دینے کا حکم صادر کیا اور بالآخر ذوالحجہ ۶۰ھ میں حادثۂ کربلا سے دس روز قبل حضرت میثم کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت میثم تمار کی مرقد کی زیارت کے بعد ہم لوگ نجف واپس آئے اور نجف میں واقع حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی سیدہ زہرا بنت امام حسن کے مرقد کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ ضریح کے اندر ایک چھوٹی سی قبر ہے جسے حضرت امام حسن کی صاحبزادی کے مزار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور وہاں پر بھی زیارت کا سلام ایک طغرے میں آویزاں ہے۔ حضرت سیدہ زہرا بنت امام حسن کا مزار حضرت مولائے کائنات کے حلقہ حرم کے نزدیک ہی واقع ہے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں کی حاضری کے بعد پیدل ہی ہوٹل تک آ گئے اور دن کا کھانا کھانے کے بعد نماز ظہر سے فارغ ہو کر عصر تک ہم لوگوں نے آرام کیا۔ شام میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم لوگ ''وادی السلام'' کی طرف فاتحہ خوانی کے لیے چلے گئے جو حرم حضرت علی کے قریب واقع ایک معروف ومشہور قبرستان ہے اور اسی میں حضرت ہود وحضرت صالح علیہما السلام کے مزارات واقع ہیں۔

وادی السلام :

وادی السلام ایک مشہور ومعروف قبرستان ہے جو نجف اشرف میں حضرت مولائے کائنات علی مرتضی علیہ السلام کے حرم کے شمال میں واقع ہے۔ یہ قبرستان ۱۴ء۸۶ کلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا جو ۱۴۸۶ ہیکٹیئر کے برابر ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔ اس قبرستان کی فضیلت کے سلسلے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ اسی قبرستان میں حضرت ہود وصالح علیہما السلام کے مزارات واقع ہیں۔ وادی السلام دنیائے اسلام کے قدیم ترین قبرستانوں میں سے ایک ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کے حوالے سے یہ بھی مشہور ہے کہ دنیا میں کہیں بھی وفات پانے والے مومن کی روح کو اللہ تعالیٰ پہلے وادی السلام میں لاتا ہے اور اس قبرستان میں آسودہ ستّر ہزار مردے بغیر حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ اس قبرستان کے شمالی

حصے میں حضرت امام مہدی اور حضرت امام جعفر صادق کے مقامات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق کا ایک گھر بھی ہے جو اب حدود وادی السلام میں داخل ہے۔ ہم لوگ جب اس گھر کے پاس پہنچے تو اسے بند پایا اس لیے اندر نہ جاسکے۔ اسی گھر کے اندر حضرت امام مہدی سے منسوب ایک کنواں ہے۔ اسی عمارت کے اندر ایک محراب حضرت سجاد امام زین العابدین کے نماز کی جگہ سے مشخص ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ جب امام زین العابدین، حضرت مولائے کائنات علی مرتضی علیہ السلام کے روضۂ انور کی زیارت کے لیے نجف تشریف لائے تو اس مقام پر نماز ادا کی تھی۔ اس قبرستان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس میں آسودہ مردگان عذاب قبر سے محفوظ ومامون کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شیعی روایات میں اس قبرستان کی اور بھی بہت سی فضیلتیں ملتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ہم لوگ حضرت ہود اور حضرت صالح کے مزارات پر حاضر نہ ہوسکے کیوں کہ تعمیراتی کام کی وجہ سے حکومت کی طرف سے زائرین کا داخلہ بند تھا۔ چنانچہ باہر سے سلام پیش کر کے لوٹ آئے۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا اس لیے جلدی جلدی ہم لوگ ہوٹل آئے اور نماز مغرب ادا کی اور پھر حرم مولائے کائنات سے متصل بازار کی طرف کچھ خریداری وغیرہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔ عشا کے وقت پھر ہوٹل لوٹ آئے اور نماز عشاء کے بعد کھانا کھا کر ہم لوگوں نے آرام کیا کیوں کہ ۲۱ر جولائی کا آج کا دن بہت بھاگ دوڑ اور تھکان بھرا تھا۔ چونکہ دوسرے ہی دن ہم لوگوں کی ہندوستان واپسی تھی اس لیے سونے سے پہلے ہم لوگوں نے اپنے سامان وغیرہ پیک کیے اور سو گئے۔

۲۲ر جولائی ۲۰۱۹ء دوشنبہ کو نماز فجر کے بعد ہی ہم لوگ حضرت مولائے کائنات علی مرتضی علیہ السلام کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہو گئے اور وہیں پائنتی بیٹھ کر معمول کے اوراد ووظائف وغیرہ میں مشغول رہے۔ اس اطمینان وسکون کی حاضری میں راقم نے حضرت مولائے کائنات کے روبرو اپنی جو منقبتیں پیش کیں ان کے اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

شیر یزدان مددی، باب شہیدان مددی ❁ ناصر دین مددی، کاتب قرآن مددی
حال زار ہمہ ای مابہ جہان گر بینی ❁ برکن خیبر وہم کاخ جہودان مددی
شرع شان ویل رواخون مسلمان آمد ❁ ناشر شرع شہنشاہ رسولان مددی
مثل ہارون تو یی وارث دانای سبل ❁ صاحب رأیت وہم تخت سلیمان مددی
تشنگی می گذرد جان بلبم، بحر کرم ❁ ساقی کوثر وخمخانۂ عرفان مددی
سوی رخسار چو شد راست دلم را قبلہ ❁ روکنی کج تو چرا؟ کعبۂ ایمان مددی
خود رسول است مدینہ تو درش آمدہ ای ❁ مخزن علم نبی، وارث ذیشان مددی
مہبط علم نبی در دوسرا آمدہ ای ❁ زینت مصر علوم از تو نمایان، مددی

فکر شوریدہ دود بھر رموز پنھانش ❁ رام آھو بشود، نازش عرفان مددی
بازوی حق تو یی ھم شھپر جبریل امین ❁ راز دانای نبی، سرّ امینان مددی
گدیہ گرجم بہ درت گشتہ سکندر سائل ❁ کوست لطف تو اسدؔ آمدہ جویان مددی

دوسری فارسی منقبت جو بارگاہ امام میں پیش کرنے کا موقع ملا وہ کچھ یوں ہے:

علی شاہ مردان، امام جھان ❁ علی راز دان نھان وعیان
علی آفتاب ولایت وصی ❁ علی آیت ھل اتی را نشان
علی جملہ اشکال مشکل کشا ❁ علی سایہ ای بھر درماندگان
علی را نظیری نہ بیند نظر ❁ تھی از مثالش زمین، آسمان
علی در شجاعت دلیلی عجب ❁ کہ عاجز ز مثلش ھمہ انس وجان
علی حیدر آمد پئی اھریمن ❁ علی صفدر آمد پئی طاغیان
علی آشنای رموز دو کون ❁ علی عالم راز کون ومکان
علی ھد ھد سالکان حق ست ❁ کہ حکمش چو تخت سلیمان، روان
سرش تاج عرفان زیبد بسا ❁ بہ ظل ھمایش سر کاملان
پی کد خدائی خدا خود گزید ❁ علی، بھر شھبانوی بانوان
نگھبانی حجلہ را از فلک ❁ فرستاد جمعی ز ذکر و بیان
دلیل ید اللہ اسد اللھی ❁ نبینی چرا؟ چون تو خوانی قرآن
علی فخر کل انبیا شد کہ بود ❁ علی نازش شاہ پیغمبران
بہ تفسیر وشرح صفات نبی ❁ بیا! مصحف روی پاکش بخوان
ز قول پیمبر دلیلی بگیر ❁ سخن گوش کن بھر وصفش چنان
علی ھست مولای ھر آن غلام ❁ کہ مولاش آمد شہ مرسلان
علی کشور فقر شاھنشھی ❁ علی بحر جود وسخا بی گمان
ھمہ نغمہ زن بلبل آسا شوند ❁ بہ سرو جمالش سھی قامتان
من آن طوطی خوش نوایم اسدؔ ❁ کہ کاری ندارم بہ عشقش جز آن
سرایم علی، یا علی، یا علی ❁ علی، یا علی، یا علی ھر زمان

ایک اور فارسی منقبت جو مواجہہ مولائے کائنات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس سفر کے لیے کہی گئی ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

رسید اختر بختم کنون بہ برج شرف ❁ پئی سلام رسیدم چو پیش شاہ نجف
زمن سلام و تحیت بہ تو ھزاران باد ❁ زمن درود و عقیدت بہ تست الف الف
تو آن شھی کہ ھما سایہ ات ھمی جوید ❁ تو آن شھی کہ بیایند مقبلان بہ کنف
تو آن شھی کہ بشارت شوند کروبیان ❁ نثار مرقد تو جان خاکیان زشعف
وجود ناکس من قطرہ ایست درگاھت ❁ ز لطف ھا گھرش کن تو بحر و کان صدف
دلم خجستہ نیازی ز ذات تو دارد ❁ و را علاقہ ز نام تو ھست و طرفہ شغف
بہ قصر سطوت او ای دو چشم بوسہ بزن ❁ بریز اشک ندامت ز ماجرای سلف
وفور و کثرت عصیان ببر د تاب رخم ❁ رسد غلام تو ناموس خویش دادہ ز کف
دلم فتادہ براھت تو پایمالش کن ❁ ز فیض پای تو درھا شوند ریگ و خزف
بہ فیض انفس تو عارفان بہ فوز رسند ❁ برو کہ نیست اسیرت دریغ است و اسف
پئی شھامت و تقوی و ھم سخاوت را ❁ وجود جود تو مرجع بگشت بھر نصف
عبای فقر تو پیرایہ ای بسی زیباست ❁ کلاہ و مغفر و دستار تست طرفہ طرف
بدہ مراد دلش را اسد گدای دراست ❁ رسد بپابوس تو ای بادشاہ اھل عرف

فارسی کی مذکورہ بالا منقبتوں کے ساتھ اردو کی درج ذیل منقبت بھی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے حضور سنانے کی سعادت نصیب ہوئی، جو اس طرح ہے:

کیا جانئے ہے خلق میں ان کا مقام کیا؟ ❁ ناطق فضیلتوں پہ ہے قرآن کلام کیا؟
یعسوب متقیں ہیں وہ ولیوں کے بادشاہ ❁ شہباز کردگار کو ہے عرش و بام کیا؟
خویش نبی ہیں سب کے جو مولا تو فکر کیوں؟ ❁ کیا اپنے غیر ان کے لیے خاص و عام کیا؟
خاطر میں لاؤں کیوں میں بھلا اس جہان کو ❁ سائل ہوں ان کے در کا تو مدح انام کیا؟
مولد بنا جو کعبہ تو مشہد بھی اس کا گھر ❁ ان کے شرف کو حق نے کیا اہتمام کیا؟
صہبا سے ان کے عشق کی، سرشار رند کو ❁ خم سے غرض ہو کیوں بھلا اور ربط جام کیا؟
ہارون تھے کلیم کو بہر نبی علی ❁ مثل وزیر حق سے ہوئے خوش مرام کیا؟

پاؤں سے تیر نکلا مگر بے خبر رہے ❁ کیسا رکوع وسجدہ تھا ان کا قیام کیا؟
گر رفض ہے محبت مولا علی تو ہوں ❁ اس سے فقط غرض مجھے، اس سے ہے کام کیا؟
قاصد صبا کو جب بھی کیا اس نے یوں کہا ❁ تجھ سے گناہگار کا ان کو سلام کیا؟
حاصل نگہ کو تاب لقا سے فروغ ہو ❁ آتا ہے ضد پہ دید کی دیکھیں پیام کیا؟
محبوب مصطفی کو ہے سدرہ بھی ایک گام ❁ دیکھا ہے چرخ ایسا کہیں خوش خرام کیا؟
سب کو مراد در سے بلا چوں چرا ملی ❁ ان کی زباں پہ تھا نہ الف لا کا لام کیا؟
چرچا بہت ہے ان کی سخاوت کا چار سو ❁ انعام اسد کو دیتے ہیں دیکھیں امام کیا؟

بہر حال قیام نجف اشرف کے آخری دن بہت سکون واطمینان اور طمانینت کے ساتھ حاضری اور عرض ومعروض کا سلسلہ رہا۔ سورج بلند ہو چکا تھا چنانچہ حضوری سے فراغت کے بعد جب حرم مولا سے باہر نکلا تو دیکھا کہ کارکنان حرم کا ایک جم غفیر علم کے ساتھ صدر داخلی دروازے کے سامنے والے صحن میں کھڑا ہو کر حضرت مولائے کائنات کی بارگاہ شاہانہ میں اجتماعی طور پر سلام پیش کر رہا تھا۔ اندازہ ہوا کہ یہ روز کا معمول ہوگا کہ وقت مقررہ پر دربار عالی میں سلام وغلامی کی نذر پیش کی جاتی ہوگی۔ اس قیاس کی تحقیق نہ ہوسکی۔ ہم لوگ پھر وہاں سے اجازت سفر لے کر ہوٹل آ گئے اور ناشتے کے بعد آرام کرنے لگے کیوں کہ دوپہر کے کھانے کے بعد واپسی کے سفر کے لیے ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ لیکن غضب یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل دارک کے عملے نے ہم لوگوں کو چیک آؤٹ کا فرمان سنا دیا جب کہ اصولاً ہم لوگوں کو دوپہر بارہ بجے کے بعد چیک آؤٹ کرنا تھا۔ جب ہم لوگوں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ زائرین کے ایک دوسرے گروپ کو ہوٹل والوں نے کمرے الاٹ کر دیئے ہیں اور ہم لوگوں کو کمرے نو بجے تک ہر حال میں خالی کرنے ہیں۔ جب ہم لوگوں نے چیک آؤٹ کرنے میں کچھ تاخیر کی تو ہوٹل والوں نے نہایت بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمروں کی بجلی سپلائی اور ایئر کنڈیشنر کی سپلائی سب معطل کر دی۔ ہم لوگوں کو ابھی کئی گھنٹے گزارنے تھے لہٰذا اپنے سامان کے ساتھ آ کر نیچے ریسپشن میں بیٹھ گئے اور آخری وقت میں ہوٹل دارک والوں کی انتہائی بداخلاقی سے نبرد آزما ہوئے۔ پھر مدیر قافلہ نے تگ ودو کر کے متصل ایک دوسرے ہوٹل میں چند گھنٹوں کے قیام کے لیے انتظام کیا اور ہم لوگ وہاں آ کر ٹھہرے۔

عراق کے اس سفر میں عوام میں غربت وافلاس اور مالی زبوں حالی کے مناظر بغداد میں بکثرت دیکھنے میں آئے۔ امریکیوں اور داعش والقاعدہ کی ستم ظریفیوں نے مالی اعتبار سے وہاں کے باشندوں کو اس قدر زبوں حال کر دیا ہے کہ اچھی شکل و صورت کے مرد وعورت اور بچے زائرین کے دامن پیچھے سے پکڑ لیتے ہیں اور خود کو مسکین بتا کر مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال شیعی اوقاف کے تحت آنے والے مشاہد ومراقد پر بالکل نظر نہیں آتی، البتہ سنی اوقاف وشئون کے تحت آنے والی

زیارت گاہوں پر ایسی صورت حال وفور سے نظر آتی ہے جو عدم مساوات اور نابرابری کی حکایت بیان کرتی ہے۔ نیز شیعی اوقاف اور سنی اوقاف کی زیارت گاہوں کے انتظام و انصرام اور رکھ رکھاؤ میں پایا جانے والا بین فرق بھی کچھ ایسی ہی داستان بیان کرتا نظر آتا ہے۔

اس سفر میں حضرت مرشد گرامی زید مجدہ نے چائے کے لوازمات اپنے ساتھ رکھے تھے، لہذا پورے سفر میں ہم لوگوں کی چائے کی طلب بہ آسانی پوری ہوتی رہی۔ بعض رفقائے سفر نے اپنے ساتھ شیرینی اور خشک ناشتے ساتھ رکھے تھے جو صبح و شام کی چائے کا لطف دوچند کر دیتے تھے۔ بائسی، پورنیہ کے جواں سال مرید خانقاہ عزیزم دلشاد سلمہ نے پورے سفر میں چائے بنانے کی خدمت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دی۔ اللہ تعالی سبھی کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۲۲ر جولائی ۲۰۱۹ء کو دوپہر کے کھانے کے بعد ہم لوگ اپنا سامان لے کر بذریعہ بس واپسی کے سفر کے لیے ایئر پورٹ چلے آئے جہاں سے عراقی ایئرویز کی فلائٹ نمبر AI441 کے ذریعہ شام ساڑھے چھ بجے ہم لوگوں کو ممبئی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ فلائٹ کچھ تاخیر سے روانہ ہوئی لیکن ٹھیک ڈیڑھ بجے شب میں ہم لوگ ممبئی کے شیواجی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ سامان وغیرہ اکٹھا کرنے اور امیگریشن وغیرہ سے نپٹ کر تقریباً تین بجے شب میں تمام رفقائے سفر ممبئی میں اپنے اپنے مستقر کو چلے گئے۔ مجھے چونکہ صبح سات بجے کی ایئر انڈیا کی فلائٹ سے دہلی آنا تھا اس لیے میں ممبئی ایئر پورٹ پر رکا رہا اور وقت مقررہ پر ممبئی سے روانہ ہو کر دہلی آ گیا جہاں نوردیدہ افتخار کونین اشہر سلمہ اور شاگرد عزیز ڈاکٹر محمد قمر عالم گاڑی لے کر موجود تھے۔ پھر دہلی کے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے روانہ ہو کر علی گڑھ آ گیا اور اس طرح عراق کا یہ دلکش اور روح کو بالیدگی بخشنے والا سفر اختتام کو پہنچا۔ عراق واقعی شعائر اسلامی کی ایسی سرزمین ہے جس کی خاک میں دنیائے اسلام کی اجلہ اور عظیم و فخیم شخصیتیں آسودہ ہیں جن کے انفاس کی تقدیس سے عراق کی فضائیں معطر ہیں:

شمیم انفس پاکان وزد بہ عراق
ز عطر عشق ھوایش بسی بویاست
نگار خانہ زیباست آن دیار، آنجا
ز کاروان گذشتہ ھنوز بانگ دراست

منابع :

(۱) نفحات الانس من حضرات القدس، جامی، عبدالرحمن، ۱۳۳۷ھ، انتشارات کتاب فروشی محمودی
(۲) بحر زخار، ج ۳، اشرف وجیہ الدین، ۲۰۱۴ء، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ
(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، مختلف جلدیں

(۴) تذکرۃ الاولیاء، عطار، فرید الدین، ای بک
(۵) تقویم البلدان، ابوالفداء، ۱۳۴۹ش، انتشارات بنیاد فرہنگ، ایران
(۶) انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، ج ۶ و ج ۲۱
(۷) طبقات الصوفیہ، انصاری، خواجہ عبداللہ، ۱۳۶۲ش، انتشارات توس
(۸) تفسیر روح البیان، ج ۸، حقی، علامہ شیخ اسماعیل، ۲۰۰۷ء، رضا اکیڈمی ممبئی
(۹) طبقات ابن سعد ج ۶ محمد بن سعد، حافظی بک ڈپو، دیوبند
(۱۰) الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، محب طبری، المکتبۃ التوقیۃ قاہرہ
(۱۱) الاصابہ فی تمییز الصحابۃ ج ۶، عسقلانی، علامہ ابن حجر، مکتبہ رحمانیہ لاہور
(۱۲) یادداشت سفر راقم

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

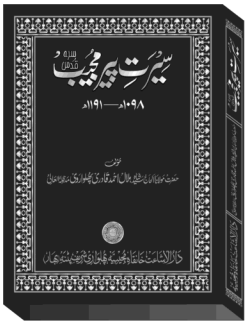

سیرتِ پیر مجیب سرہ قدس

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی مدظلہ العالی

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانیٔ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد وہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت فحض -/400 روپے ہے۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : 9006306098, +91-7250433562

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

شد مہ و مہر ز تاب رخ زیبائے تو خوش ❁ قدّ بالائے تو خوش حسن سراپائے تو خوش
عمر ما خوش کہ بسر شد بہ تولائے تو خوش ❁ مُردنم بہ کہ بہ میرم بہ تمنائے تو خوش
گردش جام درین نرگس شہلائے تو خوش ❁ سرمد این مستیم از ساغر صہبائے تو خوش
اے جواں بخت سراپائے وجودت ہمہ خوش ❁ شب خوش و روز تو خوش، ماضی و فردائے تو خوش
دام زلفت مکش اے دلکش ما کیں دل ما ❁ ہست سودا زدۂ زلف سمن سائے تو خوش
اے شکر ریز دگر خو نہ گرفتیم کہ ما ❁ قند نوشاں ہمہ از لعل شکر خائے تو خوش
دیدۂ اہل زمین و نگہ اہل فلک ❁ ہمہ سوئے تو ز ہر سو بہ تماشائے تو خوش
جان و دل با ہمہ سامان بہ عشقت تاراج ❁ دلبر این دل بیچارہ بہ یغمائے تو خوش
اے ہلال شب عیدم تو بہ چشمم آئی ❁ لبم از کفش تو ناز دسرم از پائے تو خوش
شکر للہ درین سلسلۂ عمر دراز ❁ ہر چہ آمد بہ سرم بود بہ سودائے تو خوش
وسعت ارض و سما از قدمت میمون ست ❁ ہر قدم گاہ تو ہر جا ز قدم سائے تو خوش
عشق بازان تو از جور و جفا سر چہ کشند ❁ ہر چہ آید بہ سر از مرضی و ایمائے تو خوش
نظم در مدح لب لعل گہر بارش کن ❁ ثاقبؔ این مشغلۂ شعر و سخن ہائے تو خوش

ثاقبؔ آئینۂ عکس رخ یار بہ بیں
دل پر انوار تو خوش حسن دل آرائے تو خوش

* * * * * * * * * *

نعت شریف

● امان خاں دلؔ — شوگر لینڈ، ہیوسٹن، امریکہ

چاہت رسولؐ کی ہے، مودّت رسولؐ کی ❁ دل میں میرے بسی ہے، عقیدت رسولؐ کی
گر یہ نہ ہو تو، طرزِ عبادت سبھی فضول ❁ ایماں کی ہے دلیل محبت رسولؐ کی
ملکہ مجھے کہاں کہ کہوں نعتِ مصطفیٰ ❁ کہتا ہوں یوں کہ ہے یہ عنایت رسولؐ کی
یوں ہی نہیں رسولؐ ہیں محبوبِ کبریا ❁ اللہ کو پسند ہے سیرت رسولؐ کی
نُکتہ یہ اہلِ دل کے سمجھنے کی بات ہے ❁ قرآن میں عیاں ہے فضیلت رسولؐ کی
شاہد سفر ہے عرش بریں تک حضورؐ کا ❁ مرغوب ہے خدا کو بھی چاہت رسولؐ کی
اے خطۂ عرب تیری قسمت پہ ناز ہے ❁ صحرا میں رونقیں ہیں عنایت رسولؐ کی

مقصد میری حیات کا اے دلؔ ہے بس یہی
محشر میں ہو نصیب شفاعت رسولؐ کی

* * * * * * * * * *

غزل

● وارث ریاضی ـــ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، مغربی چمپارن

وادیوں میں بھی حسیں دنیا بسا سکتا ہوں میں ❁ ''بزمِ تسکین'' خارزاروں میں سجا سکتا ہوں میں
جن کے غم سے زندگی کی آب رو ہے آج بھی ❁ ان کی خاطر نقدِ جان و دل لٹا سکتا ہوں میں
جذبۂ وارفتگی میں عشق کے اعجاز سے ❁ حسنِ بے پروا کو بھی شیدا بنا سکتا ہوں میں
وہ نہ سمجھیں مجھ میں غم کھانے کی اب دم خم نہیں ❁ ان کا بارِ غم بہ آسانی اٹھا سکتا ہوں میں
عشق مستحکم، جنونِ شوق ہے کامل مرا ❁ وہ جو مل جائیں زمانے کو بھلا سکتا ہوں میں
سازِ دل پر نغمۂ دردِ نہاں کو چھیڑ کر ❁ داستانِ غم زمانے کو سنا سکتا ہوں میں
جرأتِ کردار سے، شیریں گفتار سے ❁ جور کے آثار دنیا سے مٹا سکتا ہوں میں
حکمت و علم و ہنر کی دل نشیں آواز سے ❁ قوم کو خوابِ جہالت سے جگا سکتا ہوں میں
سرعتِ ترسیلِ خبر و آگہی کے دور میں ❁ کیا کوئی بھی راز دنیا سے چھپا سکتا ہوں میں؟

میں بھی وارثؔ خود کو اک دانا سمجھتا ہوں مگر
سادگیٔ عشق میں دھوکے بھی کھا سکتا ہوں میں

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..... کچھ دوسروں کی

تیس کروڑ آبادی والی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کو اس ملک میں درکنار کر کے حاشیہ پر رکھنے کی ہر ممکن کوشش حکومت اور برسر اقتدار جماعت کر رہی ہے، کوئی نہیں چاہتا کہ مسلمان ملکی اور غیر ملکی مسائل کے حل میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیں، ان کی اپنی زبردست شناخت ہو اور وہ اس حیثیت سے پہچانے جائیں کہ مسلمان ہیں اور اس ملک کے باعزت اور باوقار شہری بھی بنیں، اس ملک پر طویل عرصہ تک حکومت کرنے والی کانگریس ہو یا آتی جاتی چھوٹی بڑی جماعتیں، سبھوں نے مسلمانوں سے فائدہ اٹھایا اور پھر اسے درکنار کر دیا۔ اپنے کو سیکولر کہنے والی جماعتیں ہوں یا ہندوتوا وادی سب ایک ہی سوچ رکھتی ہیں اور وہ ہے مسلمانوں کا استحصال۔ خود یہ ملک کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا، اس کے شہری سیاروں پر چہل قدمی کر رہے ہیں، چاند تاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں، لیکن ان میں مسلمانوں کا حصہ نہیں کے برابر ہے، آخر کیوں؟ تیس کروڑ مسلم آبادی والا ملک سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں صرف ایک مسلمان اے پی جے عبدالکلام پیدا کر کے مطمئن ہو گیا۔ بڑی بڑی دانش گاہیں اور یونیورسٹی یہاں ہیں، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ان میں مسلم بچے بھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پھر وہ اس حد تک کامیاب کیوں نہیں ہوتے کہ سینکڑوں عبدالکلام پیدا ہو جائے، بجائے اس کے ان معصوم اور ہونہار بچوں کی بڑی تعداد سالہا سال سے مختلف جیلوں میں بند ہے، ان پر سارے الزامات جھوٹے اور بناوٹی ہیں، کبھی کبھی اور کہیں کہیں پہ جو انصاف کا ادارہ، عدالتیں وہ انصاف دکھلاتی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہاں انصاف کا خون ہوا ہے اور کس طرح یہاں انسانی زندگی تباہ کی گئی ہے۔ آج جو ہزاروں کی تعداد میں مسلم بچے اور بچیاں دس سال، پندرہ سال جیلوں میں گزار کر بے قصور ثابت ہو کر رہا ہو رہے ہیں، ان کا

کیا ہوگا؟ کیا وہ اس ملک کے معزز شہروں میں رہ سکیں گے یا صرف بوجھ بن جائیں گے؟ گجرات کی ایک نچلی عدالت نے جب یہی سوال سرکاری وکیل سے پوچھا تو اس کی زبان بند ہوگئی، اس نے صرف اتنا کہا کہ سردست حکومت کے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

وفیات

رحلت پرحسرت :

امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کی اکلوتی صاحبزادی، موجودہ زیب سجادہ جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کی پھوپھی اور ڈاکٹر سید وسیم احمد صاحب کی زوجہ محترمہ کا ۱۱؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۳؍فروری ۲۰۲۲ء بروز اتوار انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم وصلوۃ اور تلاوت واذکار کی بڑی پابند تھیں۔ خصائل وشمائل میں اپنے والد گرامی قدس سرہ سے بہت مشابہت رکھتی تھیں اور قرابت مندوں کی نہایت ہم درد وغم گسار تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے۔ آمین

نماز جنازہ بعد نماز ظہر مسجد مجیبی میں جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کی اقتدا میں ادا کی گئی اور باغ مجیبی میں باحاطۂ درگاہ تدفین عمل میں آئی۔

پروفیسر شاہ حسین الحق چشتی کا وصال :

مگدھ یونیورسٹی بودھ گیا کے سابق صدر شعبہ اردو اور عظیم علمی وروحانی شخصیت پروفیسر سید شاہ حسین الحق چشتی صاحب کا طویل علالت کے بعد ۲۳؍دسمبر ۲۰۲۰ء کو ۷۲؍سال کی عمر میں انتقال پرملال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ صاحب کی ولادت ۲؍نومبر ۱۹۴۹ء کو سہسرام کے ایک عظیم صوفی گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد گرامی مولانا حافظ شاہ محمد انوار الحق شہودی نازش سہسرامی تھے جو خود ایک مشہور عالم دین، خطیب، شاعر و ادیب اور روحانی پیشوا تھے، حضرت امان المستجیرین قدس سرہٗ سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر حسین الحق مرحوم دائرہ حضرت وصی سہسرام کے سجادہ نشیں تھے، علم وادب اور عرفان وتصوف میں ان کو بڑا مقام حاصل تھا۔ علم وادب سے گہرا رشتہ تھا، انہوں نے تقریباً دو سو کہانیاں لکھیں، سات افسانوی مجموعے، تین عہد ساز ناول، چار نثری کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، ان کی اعلیٰ علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۲۰۲۰ء میں انہیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔

خانقاہ مجیبیہ سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے، جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ سے ان کے گہرے مراسم تھے، خانوادۂ مجیبی کے دیگر بزرگوں سے بھی خاص تعلق تھا، سہ ماہی المجیب میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے، زیب سجادہ مجیبی جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے شاہ صاحب کی تعزیت میں اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''شاہ حسین الحق صاحب کا انتقال ملک وملت، بالخصوص دنیائے تصوف اور ریاست بہار کے لئے عظیم نقصان ہے، مرحوم بہت خوش ذوق اور مرنجاں مرنج انسان تھے، ایک طرف وہ نظریاتی اور جہاں دیدہ شخص تھے تو دوسری طرف ان کی تربیت ورہنمائی سے نئی نسل کی ایک بڑی تعداد نے فائدہ اٹھایا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ اپنے وقت کے ممتاز دانشور و مفکر تھے، اپنے معاصرین کے درمیان تصوف و روحانیت میں اپنے مجتہدانہ فکر کی وجہ سے ایک الگ مقام رکھتے تھے۔ شاہ حسین الحق صاحب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان کا علم وسعت، گیرائی اور تازگی کی خصوصیات سے متصف تھا، اسی وسعت، عمق اور تازگی نے ان کے اندر وہ اجتہادی شان پیدا کی تھی جس کے لئے وہ ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔''

بہر حال شاہ حسین الحق صاحب ایک عالم گیر شخصیت کے حامل تھے، ان کی وفات سے علم وتصوف کی دنیا میں ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ شاہ صاحب کے انتقال سے جہاں ہند و پاک میں عرفان وتصوف اور اردو فکر و ادب کا وسیع تر حلقہ افسردہ ہے، وہیں ادارہ ''المجیب'' بھی نہایت رنجیدہ وغمزدہ ہے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

قاری محمد عارف امانی کی وفات :

پورنیہ علاقہ بائسی کے مشہور ومعروف قاری محمد عارف امانی صاحب کا ۳۱/دسمبر ۲۰۲۱ء کو انتقال ہوگیا، موصوف سیمانچل کے بااثر، فعال اور متحرک شخصیت تھے، وہ عارف باللہ، امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ العزیز کے دست گرفتہ وفیض یافتہ تھے، حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری اور حضرت مولانا سید شاہ محمد عماد الدین قادری رحمہما اللہ سے گہری وابستگی تھی، ضلع پورنیہ کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم فیاض المسلمین بائسی کے نہ صرف استاد بلکہ اس کے عروج و ارتقا میں کوشاں اور اپنے برادر مکرم مولانا عبد القیوم قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست تھے، مدرسہ کے تمام کاموں میں ان کے ممد ومعاون تھے۔

قاری صاحب مرحوم مدرسہ فرقانیہ لکھنو کے ابنائے قدیم میں سے تھے، نہایت باصلاحیت، تجربہ کار، مشفق ومحنت شعار استاد تھے، فراغت کے بعد سے ابھی چند سال پہلے تک کافی طویل عرصے سے درس وتدریس اور دین وملت کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل رہے، قاری صاحب مرحوم کا کئی سال قبل ایکسیڈینٹ ہوگیا تھا، بہت علاج ومعالجہ ہوا مگر از خود چلنے پھرنے

سے معذور رہے، بالآخر ۹۰ رسال کی طویل عمر پا کر اس دارِفانی سے رحلت کر گئے۔

قاری صاحب بہت خلیق، منکسر المزاج، عبادت گزار، نیک وصالح، اوراد ووظائف سلسلہ کے پابند اور نہایت دین دار و تقویٰ شعار تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، ان کے حسنات کو قبولیت سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

معمولات خانقاہ بماہ شعبان المعظم :

۲۶ رشعبان کو حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے وصال کی تاریخ میں فاتحہ اور بعد نماز عصر میلاد شریف ہوتا ہے۔ حضرت کا عرس ان کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۹ رجمادی الاولیٰ کو ہوتا ہے۔ ۲۹ رشعبان کو شب ۲۹ راور روز ۲۹ رحضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب انجام دی جاتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رمضان المبارک :

عرس حضرت مولائے کائنات سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم ﷺ وموئے مبارک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰ ردن گزار کر شب ۲۱ رکو قل اور مجلس ہوتی ہے۔

دارالعلوم مجیبیہ کا سالانہ امتحان اور تعطیل کلاں :

اس سال وبائی حالات کے پیش نظر دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف کا سالانہ امتحان قبل از وقت ۵ رتا ۱۱ ررجب المرجب ۱۴۴۳ھ منعقد ہوا، حفظ و ناظرۂ قرآن مجید کے علاوہ درجہائے عربی، حفظ و تجوید اور ناظرہ کی تمام کتابوں کے تحریری امتحانات کی مکمل ذمہ داری اساتذۂ دارالعلوم نے بحسن وخوبی نبھائی، جب کہ حفظ قرآن مجید کی تینوں درس گاہوں کے سبھی طلبہ کے امتحانات جناب حافظ ظل کبریا صدیقی صاحب کی نگرانی میں انجام پائے۔ اس کے بعد تعطیل کلاں اور رمضان المبارک کے موقع پر ۱۲ ررجب المرجب تا ۱۲ رشوال المکرم بیرونی طلبہ کے لیے دارالعلوم بند کر دیا گیا، مگر مقامی طلبہ کے لیے تعلیمی سلسلہ ۱۹ ررمضان المبارک تک جاری رہے گا۔ ۱۲ رشوال المکرم سے دارالعلوم باضابطہ کھل جائے گا، ۲۵ رشوال المکرم تک داخلے ہوں گے، پھر ۲۶ رشوال المکرم سے سال نو کا تعلیمی آغاز عمل میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی فخریہ پیش کش

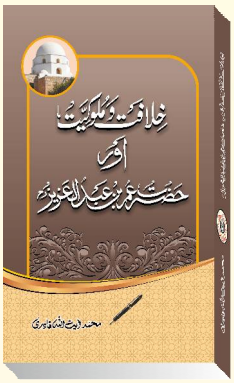

خلافت و ملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

تالیف منیف

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

نہایت مستند، محقق اور عصر حاضر کی یکتا و یگانہ تصنیف ہے، خلافت و ملوکیت اور امارت اسلامی پر نہایت چشم کشا تحریر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف و منہج کی طرف مکمل رہنمائی کرنے والی تالیف ہے۔

یہ معرکۃ الآراء کتاب دس ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار باب بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں خلافت کی حقیقت، خلافت کی تعریف، خلیفہ کے لئے ضروری اوصاف و کمالات، انعقاد خلافت کے لئے قریشیت کی شرط، نصب خلیفہ کے اسلامی طریقے، خلافت و ملوکیت میں فرق، خلیفہ کے اختیارات، خلافت کے فرائض اور ذمہ داریاں، خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کی وجوہات، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگیں، حضرت امیر معاویہ کا اقتدار اور ان کا یزید کو جانشین منتخب کرنا وغیرہ جیسے عناوین و موضوعات پر حضرت مؤلف گرامی مدظلہ العالی نے بھرپور داد تحقیق دی ہے۔

بقیہ چھ ابواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح اور ان کے مقام و مرتبت کو حسین و دلکش پیرایے میں مستند و معتبر حوالوں کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے، اس طرح سے یہ کتاب سوانح نگاری کے اعلیٰ اصول پر گامزن ہو کر ایک مکمل تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

یہ کتاب ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت مبلغ -/400 روپے ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کریں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :62 | Jan. to March 2022 | Sl.No. : 01
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Cell : +91-7250433562, 9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی خصوصی اشاعت

عمدۃ المتوکلین نمبر

یہ نمبر عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر ایک جامع تذکرہ ہے اور ان کی عظیم الشان و مثالی شخصیت پر ہند و پاک کے مشاہیر صوفیہ و مشائخ، اہل علم و دانش اور ارباب قلم کے گراں مایہ و پُر ارزش نگارشات کا حسین مرقع ہے، اس میں حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمہ کے کچھ احوال و کوائف اور حالات و واقعات زندگی مثلاً آپ کا حسن اخلاق، کرم و سخاوت، علمی و ادبی کمال، تصنیفی و تالیفی اور تحقیقی کارنامے، دینی و ملی خدمات، فقہی بصیرت، فنی مہارت، انداز تدریس و تقریر، عرفان و ولایت میں مقام، زہد و قناعت، توکل و تبتل اور دیگر محامد و محاسن پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس خاص نمبر میں حضرت علیہ الرحمہ کے نقوش حیات، تصوف و عرفان، امتیازات و خصوصیات، اوصاف و کمالات، احوال و آثار اور تالیفات و تصنیفات جیسے اہم عناوین پر تقریباً ۷۰ / گراں قدر اور قیمتی مضامین و مقالات شامل ہیں اور قوم و ملت کی اہم شخصیات کے تاثرات، مکاتیب و پیغامات تعزیت اور قطعات تاریخ بھی درج ہیں، علاوہ ازیں حضرت علیہ الرحمہ کے منظومات اور ان کی شعری تخلیقات کی خاصی تعداد بھی قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔ اس طرح یہ خصوصی شمارہ ایک جامع اور مبسوط نمبر کی حیثیت حاصل کر چکا ہے، جو اہل علم و ادب کے ساتھ عام عوام کے لیے بھی معلومات کا گراں بہا خزانہ ہے۔

یہ خاص شمارہ ۵۶۴ / صفحات پر مشتمل ہے، کاغذ بہت عمدہ و مضبوط، طباعت دلکش اور خوبصورت ہے۔

خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے صرف -/500 / روپے میں حاصل کر سکتے ہیں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)